عقیدہ حیاتِ انبیاء علیہم السلام پر لاجواب کتاب

قرۃ العیون

فی بیان صحۃ الحدیث

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون

تالیف

حضرت مولانا مفتی محمد عبد الغنی صاحب مدظلہم

أستاذ مدرسہ رحمانیہ مشاخ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

ناشر

مکتبۃ الشیخ

۳۴۵/۲ بہادر آباد کراچی نمبر ۵

021-34935493

Telegram : t.me/pasbanehaq1

جملہ حقوق ملکیت بحق مکتبۃ الشیخ کراچی محفوظ (C)

نام کتاب ـــــــ قُرّۃُ العُیون

تالیف ـــــــ حضرت مولانا مفتی محمد عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اشاعت اوّل ـــــــ محرم الحرام ۱۴۳۸ھ اکتوبر 2016ء

ناشر ـــــــ مکتبۃ الشیخ ۳/۴۴۵، بہادر آباد، کراچی نمبر ۵۔

اسٹاکسٹ

مکتبہ خلیلیہ ★ مکتبہ زکریا

دکان نمبر-19، سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی
0310-2098691, 0321-2098691

دکان نمبر 2، قاسم سینٹر، ڈسوبرائج ہسپتال، اُردو بازار، کراچی
021-32621095, 0312-2438530

قدیمی کتب خانہ، کراچی
کتب خانہ اشرفیہ، اُردو بازار، کراچی
اسلامی کتب خانہ، بنوری ٹاؤن، کراچی
مکتبۃ العلوم، بنوری ٹاؤن، کراچی
مکتبہ قاسمیہ، لاہور
مکتبہ حقانیہ، ملتان
مکتبۃ العارفی، فیصل آباد
سیّد احمد شہید، اکوڑہ خٹک

دار الاشاعت، اُردو بازار، کراچی
کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
مکتبہ ندوہ، اُردو بازار، کراچی
مکتبہ رحمانیہ، لاہور
مکتبہ حرمین، لاہور
ادارہ تالیفات، ملتان
مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
مکتبہ علمیہ، پشاور

نور کتب خانہ، آرام باغ، کراچی
مکتبۃ العامیہ، اُردو بازار، کراچی
مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی، کراچی
زمزم پبلشرز، اُردو بازار، کراچی
المیزان، لاہور
مکتبہ امدادیہ، ملتان
مکتبہ ثمانیہ، راولپنڈی
ادارہ اسلامیات، لاہور

﴿ہر دینی کتب خانہ پر دستیاب ہے﴾

Telegram : t.me/pasbanehaq1

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ
مقدمہ	۳
تین صحیح لذاتہٖ روایات	۲۶
(۱) مسند ابویعلی کی روایت	۲۷
صحتِ سندِ بالا پر ائمۂ حدیث کی تصریحات	۳۰
ائمۂ حدیث کی طرف سے سندِ مذکور کے ایک ایک راوی کی توثیق	۴۲
حدیثِ مذکور کے متن اور مضمون کی صحت محدثین کے قائم کردہ عنوانات کی روشنی میں	۵۳
روایت مسند ابویعلی کے رجال پر مفصل کلام	۵۶
ابوالجہم الازرق بن علی	۵۶
یحییٰ بن ابی بکیر	۶۶

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مستلم بن سعید	٦٦
حجاج بن الاسود القسملی	٦٧
ثابت البنانی	٦٩
انس بن مالک خزرجیؓ	٧١
اتصالِ سند کا اعلیٰ درجہ	٧٢
ابویعلی کی سند	٧٣
٢:.....امام ابونعیم اصفہانیؒ کی روایت	٧٦
اس حدیث کے راویوں کے احوال	٧٧
علی بن محمود المدینی	٧٧
عبداللہ بن ابراہیم بن الصباح	٧٨
عبداللہ بن محمد بن یحیی بن ابی بکیر	٨١
٣:.....امام عبدالغنی بن سعیدؒ کی روایت	٨٣
ابراہیم بن علی الحنائی	٨٥
یحیی بن محمد بن صاعد	٨٦
چار صحیح لغیرہٖ روایات	٩٠
(ا) امام ابوبکر بزارؒ کی روایت	٩١

Telegram : t.me/pasbanehaq1

رزق اللہ بن موسیٰ	۹۳
الحسن بن قتیبۃ	۹۳
(۲) امام ابن عدیؒ کی روایت	۹۵
قسطنطین بن عبداللہ الرومی	۹۸
الحسن بن عرفہ	۹۹
(۳) امام تمام رازیؒ کی روایت	۱۰۱
ابوالقاسم الحسن بن علی	۱۰۳
عبداللہ بن محمد بن ناجیہ	۱۰۵
احمد بن عبدالرحمٰن الحرانی	۱۰۶
(۴) امام بزارؒ کی روایت	۱۰۸
رجالِ سند	۱۰۹
الحسن بن قتیبہ	۱۱۰
حماد بن سلمہ	۱۱۰
عبدالعزیز	۱۱۰
امام بیہقیؒ کا ایک وہم جس کا اتباع تاہنوز جاری ہے	۱۱۱

Telegram : t.me/pasbanehaq1

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "مشاہدۂ احوالِ برزخ" کے سفر "سفرِ معراج" میں انبیاء علیہم السلام نماز پڑھتے نظر آئے	۱۱۸
حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے	۱۱۹
صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی	۱۴۱
حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شب معراج میں آپ ﷺ کی ملاقات	۱۴۲
صحیح بخاری	۱۴۲
مسلم شریف	۱۴۶
ترمذی شریف	۱۴۹
سنن ابوداؤد، سنن نسائی سنن ابن ماجہ	۱۵۴
اجسادِ انبیاء علیہم السلام خاک نہیں بنتے	۱۵۵
رجالِ سند	۱۵۶
الحسن بن علی	۱۵۶
حسین بن علی	۱۵۶

Telegram : t.me/pasbanehaq1

عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر	۱۵۷
ابوالاشعث الصنعانی	۱۵۷
سنن نسائی	۱۵۷
سنن ابن ماجہ	۱۵۹
اس حدیث سے متعلق کچھ علمی اعتراضات اوران کے مفصل تحقیقی جوابات	۱۶۰
تحقیقِ انیق ابوالاشعث سے ابن جابر کے سماع کا مفصل ثبوت	۱۷۴
ائمہ اربعہ کی روایات	۱۸۰
امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ	۱۸۱
امام مالک رحمہ اللہ	۱۹۳
امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ	۱۹۷
امام شافعیؒ	۱۹۸

Telegram : t.me/pasbanehaq1

Telegram : t.me/pasbanehaq1

قرة العيون

فى بيان صحة حديث

"الأنبياء أحياء فى قبورهم يصلون"

Telegram : t.me/pasbanehaq1

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم۔ أما بعد

اسلامی عقائد میں ایک ضروری عقیدہ عذابِ قبر وراحتِ قبر کا عقیدہ ہے۔ صحاح ستہ سمیت تمام کتبِ احادیث، خواہ وہ جوامع ہوں یا معاجم، مسانید ہوں یا مراسیل، سنن ہوں یا مصنفات، سب میں قبر کے عذاب وراحت کی احادیثِ کثیرہ صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کے پاس سے گزرتے وقت ان میں مدفون لوگوں کو عذاب ہونے کی خبر بھی کثیر واقعاتِ حدیثیہ میں دی ہے، جو کہ صحاحِ ستہ میں بھی مذکور ہیں۔

اور امام ابنِ جریرؒ کی ''تهذيب الآثار''، امام لالکائیؒ کی ''شرح اعتقاد أهل السنة''، علامہ آجریؒ کی ''الشريعة'' اور امام بیہقیؒ کی ''اثبات عذاب القبر'' میں بھی نہایت مفصّل انداز میں ایسی احادیثِ قولیہ وواقعاتِ حدیثیہ بہ روایاتِ صحیحہ مروی ہیں۔ ان احادیثِ صحیحہ میں بہ طورِ خرقِ عادت اور برائے عبرت قبروں سے سماعِ عذاب (صحیحین)، سماعِ تلاوت (ترمذی) اور سماعِ جوابِ سلام (تهذيب الآثار) وغیرہ بھی آیا ہے جو عذاب وراحت کا سلسلہ اسی زمینی قبروں میں ہونے کی واضح نصوص ودلائل ہونے کے ساتھ بعد از موت احساسِ عذاب وراحت کے لئے درکارِ حیات بھی ان اجساد میں موجود ہونے کا ثبوت ہے۔ امام الحرمین علامہ عبدالملک الجوینیؒ متوفی سنہ ۴۷۸ھ لکھتے ہیں:

فمنها إثبات عذاب القبر .... فإنه من مجوزات العقول

Telegram : t.me/pasbanehaq1

واللّٰه مقتدرعلی إحیاء المیت وأمرالملکین بسؤاله عن ربه ورسوله وکل ماجوزه العقل وشهدت له شواهدالسمع لزم الحکم بقبوله وقدتواترت الاخبار باستعاذة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بربه من عذاب القبر ونقل آحاد من الأخبارفی ذالک تکلف ثم لم یزل ذالک مستفیضًا فی السلف الصالحین قبل ظهور أهل البدع و الأهواء (کتاب الارشاد إلی قواطع الأدلة فی أصول الاعتقاد، للامام الجوینیؒ صفحه:۳۱۷)

''ان (عقائد میں سے ایک) عذابِ قبر کا اثبات ہے.....اس لئے کہ یہ عقلی طور پر امورِ ممکنہ میں سے ہے، کیوں کہ اللہ اس پر قادر ہے کہ مردے کو زندہ کرے اور دو فرشتوں کو اس سے اس کے رب اور اس کے رسول کے بارے میں پوچھنے پر مامور کرے۔ اور عقل کے کسی چیز کو ممکن قرار دینے کے بعد جب دلائلِ سمعیہ اس کی شہادت دیں، اس کو مان لینا لازم ہے۔ (رہے دلائلِ سمعیہ، سو) اس بارے میں احادیث متواتر ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عذابِ قبر سے اپنے رب کی پناہ مانگتے تھے۔ اور ایسی احادیث کو ایک ایک کر کے نقل کرنا تکلف ہے (کہ وہ تو مشہور و مستفیض ہیں) اور بدعتی اور ہوئی پرست فرقوں سے پہلے سلفِ صالحین میں یہ (عقیدہ) ہمیشہ مشہور رہا۔''

امام ابنِ بطالؒ شرحِ صحیح بخاری میں لکھتے ہیں:

''اجمع أهل السنة أن عذاب القبر حق وأن الناس

Telegram : t.me/pasbanehaq1

يفتنون فی قبورهم بعد أن يحيوا فيها ويسئلوا فيها''۔

(شرح صحيح البخاری لابن بطالؒ. جلد: ۳ صفحه:۳۵۸، ط: مكتبة الرشد، الرياض ۔والتوضيح لابن الملقنؒ جلد:۱۰، صفحه: ۱۵۴، ط: دار النوادر، بيروت)

''اہلِ سنت کا اس پر اجماع ہے کہ عذابِ قبر حق ہے اور اس پر بھی کہ لوگوں کو ان کی قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے، ان سے سوالات کئے جاتے ہیں، اس کے بعد ان کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے۔''

ابنِ بطالؒ لکھتے ہیں:

''اللذة و الألم تجيء بالاحساس فإذا كان كذالک وجب اعتقاد رد الحياة فی تلک الأجساد وسماعهم للكلام والعقل لايدفع هذا ولايوجب حاجة إلى بلة ورطوبة وإنما يقتضی حاجتها إلى المحل فقط فإذا صح رد الحياة إلى أجسامهم مع ماهم عليه من نقص البنية وتقطع الأوصال صح أن يوجد فيهم سماع الكلام

(شرح ابن بطال جلد:۳ صفحه :۳۵۹ ونقله منه ابن الملقنؒ فی التوضيح، جلد۱۰ صفحه :۱۵۴-۱۵۵)

''(نعمتوں کی) لذّت اور (عذاب کی) تکلیف احساس سے ہی متحقق ہوگی۔ اس لئے یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ ان (مدفون) اجسام میں حیات لوٹا دی جاتی ہے اور یہ کہ مدفون لوگ کلام سنتے ہیں۔ جب کہ عقل اس کو رد نہیں کرتی نہ ہی (جسم میں) تراوٹ ورطوبت موجود ہونے کو لازم قرار دیتی ہے، بلکہ وہ تو صرف حیات کے لیے محل کی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ضرورت کا تقاضا کرتی ہے۔ پس جب جسم کی ساخت ٹوٹ جانے اور جوڑ بند ٹکڑوں میں بٹ جانے کے باوجود ان (مُردوں) کے اجسام میں حیات کا لوٹایا جانا صحیح ہے تو ان (مُردوں) میں سماعِ کلام پایا جانا بھی صحیح ہے"۔

حافظ الدنیا امام ابنِ حجر عسقلانیؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب "فتح الباری" میں لکھتے ہیں:

"الجمهور فقالوا: تعاد الروح الی الجسد او بعضه ... وقد ثبتت الأحادیث بما ذهب الیه الجمهور کقوله: إنه لیسمع خفق نعالهم، وقوله: تختلف أضلاعه لضمة القبر، وقوله: یسمع صوته اذا ضربه بالمطراق، وقوله: یضرب بین أذنیه، وقوله: فیقعدانه. وکل ذالک من صفات الأجساد"۔ (فتح الباری جلد ۳ صفحه ۲۹۹ ط: دار السلام، الریاض)

"جمہور (اہلِ سنت والجماعت) کہتے ہیں کہ (مُردے کے پورے) جسم یا پھر اس کے کچھ حصے میں دوبارہ روح لوٹا دی جاتی ہے..... اور احادیث بھی جمہور کے اس (قبر کی کارروائیاں روح کے ساتھ جسم سے بھی متعلق ہونے کے) مذہب کو ثابت کرتی ہیں۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ: "مدفون شخص لوگوں کے جوتوں کی آہٹ سُن رہا ہوتا ہے" اسی طرح یہ ارشادِ نبوی کہ: "قبر کے بھینچنے کی وجہ سے مدفون شخص کی پسلیاں ایک دوسرے میں داخل

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہوجاتی ہیں" اور یہ حدیث کہ: "(عذاب کے فرشتے کے) ہتھوڑا مارنے پر مُردے کی (چیخ کی) آواز (جن وانس کے علاوہ مخلوقات کو) سنائی دیتی ہے" اسی طرح حدیث کے یہ الفاظ کہ: "مُردے کے دونوں کانوں کے بیچ میں مارا جاتا ہے" اور یہ الفاظ کہ: "دو فرشتے مُردے کو (اس کی قبر میں) بٹھاتے ہیں"۔ ظاہر ہے کہ یہ سب جسم ہی کے اوصاف (اور اجسام سے سرانجام پانے والے افعال) ہیں"۔

مذکورہ بالا تمام عباراتِ اکابرِ محدثین میں عذابِ قبر کے اثبات کے ساتھ بہ درجۂ لازم قبر میں حیاتِ جسدِ عنصری کا بھی اثبات مذکور ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ عذابِ قبر اور قبر میں حیاتِ جسمانی ہونے کے مابین تلازم کی نسبت ہے۔ امام ابنِ خزیمہؒ لکھتے ہیں:

"ادعی ممن انکر عذاب القبر ان اللّٰہ لایحیی احدا فی القبر .... وقد ثبت فی کتاب اللّٰہ وسنن نبیه صلی اللّٰہ علیه وسلم خلاف دعواهم الداحضة .... (کتاب التوحید للامام ابن خزیمةؒ، صفحه: ۳۷۴، ط: دار الکتب العلمیة، بیروت)

"عذابِ قبر کے منکرین کا دعویٰ ہے کہ قبر میں اللہ تعالیٰ کسی کو حیات سے نہیں نوازتے..... جب کہ کتاب اللہ اور سننِ نبویہ سے ان کے اس باطل دعوے کے برخلاف ثابت ہے"۔

اور اہلِ سنت والجماعت جس طرح راحت وعذابِ قبر کے قائل ہیں، اس طرح قبر میں احساسِ راحت وعذاب کے لیے حیاتِ جسمانی کے بھی قائل ہیں۔ صحیح بخاری کے عظیم شارح امام بدرالدین عینی حنفیؒ لکھتے ہیں:

Telegram : t.me/pasbanehaq1

"وإذا ثبت التعذیب ثبت الاحیاء والمسائلة، لأن کل من قال بعذاب القبر قال بهما "۔(عمدة القاری جلد: ۱۲. صفحه: ۴۶۴ والعبارة برمتها فی کتاب المواقف للعلامه عضد الدین الایجیؒ جلد: ۳، صفحه: ۵۱۹، ط: دارالجیل، بیروت)

"اور جب (مُردوں کو) عذاب دیا جانا (احادیثِ صحیحہ وصریحہ سے) ثابت ہوگیا تو (مُردوں کو ان کی قبروں میں) زندہ کیا جانا اور ان سے سوال جواب ہونا بھی ثابت ہوگیا۔ اس لیے کہ ہر وہ شخص جو عذابِ قبر کا قائل ہے وہ مُردوں کو ان کی قبروں میں حیات ملنے اور ان سے سوال جواب ہونے کا بھی قائل ہے۔" (کیوں کہ حیات کے بغیر قبر کا عذاب متصور ہے، نہ ہی سوال وجواب۔ اور حیات سے حیاتِ جسمانی مراد ہونا سابق میں مذکور ابنِ حجرؒ وغیرہ کی عباراتِ صریحہ سے واضح ہے)۔

انبیاء علیہم السلام کے اجسام کا بعد از وفات محفوظ رہنا احادیثِ صحیحہ وصریحہ میں منصوص ہے، اس لیے ان کے اجسامِ دنیویہ عنصریہ میں حیات ہونا ظاہر ہے۔ بالخصوص جب کہ ان (سلامتِ اجسادِ انبیاء کی) بے غبار اسانید کی حامل احادیث کے تمام حاشیہ نگار وشارحین کا تقریباً اتفاق ہے کہ یہ ان نفوسِ قدسیہ کی حیات ہی کا اثر ہے۔ اور بعض شہداء کے اجسام کا سالم رہنا صحیح بخاری، موطا اور سننِ ابوداؤد وغیرہ کی احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔ اور ان مدفون اجساد میں حیات ہونا بھی محلِ اشکال نہیں، کیوں کہ حیات کے لیے درکار محل مکمل موجود ہے۔ اور جن لوگوں کے اجسام مٹی ہوجاتے ہیں، ان کے بعض اجزاء کا محفوظ رہنا صحیح بخاری وغیرہ میں ہے۔ اور حیات کے لیے درکار محل بننے کے لیے بعض اجزائے جسم کافی ہیں، جب کہ اجزائے ارضیہ بن جانے والے اجزائے جسمانی کی حیات

Telegram : t.me/pasbanehaq1

وادراک بھی بعید نہیں، کیوں کہ قیامت کے روز زمین کا اپنے اوپر انجام پانے والے اعمال کے بارے میں بتانا قرآن میں مذکور ہے۔ اور بتانے کے لیے باخبر ہونا اور باخبر ہونے کے لیے حیات وادراک وضروری ہے۔ شیخ محمد بن صالح العثیمینؒ لکھتے ہیں:

''تحدث اخبارها ''أی الأمور عمل علیها من خیر و شر سواء قول مسموع أوفعل مرئی فتحدث به یوم القیامة والجلود تنطق أنطقها اللّٰه الذی أنطق کل شیء فلاتستبعدهذه ''۔(شرح زادالمستنقع للشیخ العثیمین جلد۵صفحه ۳۸۵ط:دارابن الجوزی.الریاض)

''(ارشادِ ربانی کہ:) ''زمین اپنی خبریں بتادے گی'' یعنی جو بھی عمل اس پر کیا گیا ہے، اچھا ہو یا برا، سنائی دینے والی کوئی بات ہو یا نظر آنے والا کوئی کام، قیامت کے دن زمین سب کچھ بتادے گی۔ (قیامت کے دن تو) انسان کی کھالیں بھی بولیں گی اور وہ ذات اس کو قوتِ گویائی دے گی کہ جس نے سب کو گویائی دی ہے، اس لیے ان چیزوں کو مستبعد نہ سمجھا جائے۔''

راقم عبدالغنی (کان اللّٰه له) عرض کرتا ہے کہ قرآن کریم میں (آسمان کے ساتھ) زمین کا بھی اللہ کا حکم سننا اور جواباً'' أتینا طائعین '' کہنا، اللہ کی طرف سے ''عرضِ امانت'' پر قبول کرنے سے ''انکارِ اِجلال'' کرنا، قومِ نوح علیہ السلام پر بطورِ عذاب آنے والے ''سیلِ آب'' کو نگل لینے کا حکمِ ربانی ہونا اور اس کی تعمیل میں زمین کا سارا سیلابی پانی نگل جانا، اسی طرح قیامِ قیامت پر رب کا حکم سننے کے بعد اپنے اندر سے تمام مُردوں کو چلتی پھرتی زندگی کے ساتھ اگل دینا اور اپنے رب کی اطاعت کرنا وغیرہ مذکور ہے۔ اس کے علاوہ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

احادیثِ صحیحہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (پہچان کر) مکہ مکرمہ کے ایک پتھر کا (جو کہ جزوِ ارضی ہے) سلام کرنا، کوہِ اُحد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹھہر جانے کا حکم کرنا اور کوہِ اُحد کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا وغیرہ ثابت ہے، اس لیے نصوص سے ثابت ہونے کے بعد بعض اجسادِ انسانی کے اجزائے ارضیہ میں تبدیل ہونے کے باوجود مرنے والے افرادِ انسانی کا ادراک وسماع ایسی حقیقتِ حقہ ہے کہ جو "عقلِ مسلم" کے عین مطابق بلکہ تخاطب وتکلمِ ارضی کی نصوصِ بالا کو تسلیم کرنے کا زینہ ہے۔ انہی حقائق کے پیشِ نظر تمام اسلامی فرقے آپس میں بیسیوں اختلافات رکھنے کے باوجود حیاتِ قبریہ پر مبنی عذابِ قبر کے عقیدے پر متفق ہیں۔ اور جب کبھی کسی "غیر" نے اس اساسی عقیدے کے انکار کو کسی فرقے کی چھتری فراہم کرنے کی کوشش کی تو اس فرقے کے ذمہ داروں نے اس سے وہ چھتری چھین لی اور اس قسم کے عقیدے سے براءت کا اعلان کیا۔ چناں چہ کچھ بد باطنوں نے جب عقیدۂ عذابِ قبر کا انکار کیا اور اس کے بعد اس عقیدۂ باطلہ کے پرچار کے لیے فرقۂ معتزلہ کا پلیٹ فارم استعمال کرنے کی کوشش کی تو اکابرِ معتزلہ نے اس باطل عقیدے اور ایسا عقیدہ رکھنے والوں سے واضح الفاظ میں براءت اور لاتعلقی کا اعلان کیا۔ امام علاء الدین مغلطائیؒ متوفی سنہ ۷۶۲ھ لکھتے ہیں:

"ذکر القاضی عبدالجبار رئیس المعتزلة ومصنفهم فی کتاب الطبقات من تالیفه: إن قیل إن مذهبکم أداکم إلی إنکار عذاب القبر وهو قد أطبقت علیه الأمة وظهر لیه الآثار والدلائل قیل إن هذا الأمر إنما أنکره ضرار بن عمر و ولما کان من أصحاب واصل ظنوا أن ذالک مما أنکرته المعتزلة ولیس الأمر کذالک بل

Telegram : t.me/pasbanehaq1

المعتزلة رجلان أحدهما يجوز ذالک كما وردت به الاخبار والثانی يقطع بذالک وأكثر شيوخنا يقطعون بذالک (شرح سنن ابن ماجه للامام المغلطائیؒ جلد: ۱، صفحه: ۱۵۹، ط: مكتبة نزار مصطفى الباز، وعمدة القاری للامام العینیؒ جلد: ۴، صفحه: ۴۹۶، وانظر: العرف الشذی للامام الكشمیریؒ علی هامش سنن الترمذی جلد: ۱، صفحه: ۲۰۶)

''فرقہ معتزلہ کے رئیس ومصنف قاضی عبدالجبار نے اپنی تصنیف ''کتاب الطبقات'' میں ذکر کیا کہ اگر یہ کہا جائے کہ تمہارے مذہب (مذہبِ اعتزال) نے ہی تو تمہیں یہاں تک پہنچایا کہ تم عذابِ قبر کے منکر بن بیٹھے، حالاں کہ اس (عذابِ قبر کے عقیدہ) پر تو ساری امت کا اجماع ہے اور اس بارے میں آثار ودلائل واضح ہیں۔ تو (جواب میں) کہا جائے گا کہ اس (واضح اور اجماعی عقیدے) کا انکار صرف ضرار بن عمرو (معتزلی) نے کیا ہے۔ یہ (ضرار) چوں کہ (بانیٔ فرقہ معتزلہ) واصل (بن عطاء) کے شاگردوں میں سے تھا تو لوگوں نے یہ سمجھا کہ فرقہ معتزلہ عذابِ قبر کا منکر ہے، جب کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ معتزلہ تو دو قسم کے لوگوں کا نام ہے: ایک وہ کہ جو عذابِ قبر کو امرِ ممکن کہتے ہیں، جیسا کہ احادیث میں ہے۔ دوسرے وہ کہ جو عذابِ قبر (کے وقوع) کو قطعیت کے ساتھ مانتے ہیں۔ اور ہمارے اکثر مشائخ اس (عذابِ قبر کے وقوع) کو قطعیت کے ساتھ مانتے ہیں''۔

یہ رئیس المعتزلہ آگے لکھتے ہیں:

''إنما ينكرون قول طائفة من الجهلة إنهم يعذبون وهم

Telegram : t.me/pasbanehaq1

موتی"۔(شرح سنن ابن ماجه للمغلطائی (نقلا من کتاب الطبقات للقاضی المذکور) الموضع السابق)

"ہاں، فرقہ معتزلہ جاہلوں کی ایک جماعت کے اس قول کا انکار کرتا ہے کہ مُردوں کو ان میں حیات لوٹائے جائے بغیر ہی (قبروں میں) عذاب دیا جاتا ہے"۔

یعنی متقدمینِ معتزلہ پوری امتِ مسلمہ کی طرح واضح نصوص کے پیشِ نظر حیاتِ قبریہ کے ساتھ عذابِ قبر کے قائل ہیں۔اور ایسے عذابِ قبر کے منکر ہیں جو حیاتِ قبریہ کے بغیر تسلیم کیا جائے، جیسا کہ بعض بددینوں کا خیال ہے۔رئیس المعتزلہ کے اس اظہارِ لاتعلقی کے باوجود اکثر متاخرینِ معتزلہ نے اس دو نمبر کے اعتزال کی ہمنوائی کی۔(دیکھئے: عمدة القاری للامام بدر الدین العینی"، جلد:۱۲، صفحہ:۶۲۴)۔رئیس المعتزلہ کی اس تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ حدِ غلو تک عقل پرستی کے باوجود بہ حیثیتِ فرقہ متقدمینِ معتزلہ کو اس اجماعی عقیدے کے انکار کی جرأت نہ ہوئی، اور وہ برملا ایسے عقیدے سے اپنے فرقے کی براءت و بیزاری کا اظہار کرتے رہے۔مگر نصوص کی بجائے مخصوص کچھ اصولِ عقلیہ وکلیاتِ فلسفیانہ پر مبنی یہ فرقۂ مبتدعہ اس عقیدۂ ضروریہ کے انکار سے آخر محفوظ نہ رہ سکا۔چناں چہ ان کے پیرو اس اجماعی عقیدے کے منکر ہو گئے کہ جس کا اجماعی ہونا ان کے رئیسِ مذکور اپنی عبارتِ بالا میں تسلیم کر چکے۔سطورِ بالا سے یہ بات واضح ہے کہ حیاتِ قبریہ پر مبنی عذابِ قبر کا عقیدہ پوری امتِ مسلمہ کے درمیان اجماعی ہے، جب کہ انکارِ عذابِ قبر کا نظریہ دو نمبر کے معتزلیوں کا مخصوص نظریہ ہے، جس کی وجہ سے منکرِ حیاتِ قبریہ وعذابِ قبر کو معتزلی، جمادی، پتھری اور کبھی حجری کہا جاتا ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

علامہ محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

"والذی يتحصل بالنظر فی النصوص أن الموت و إن كان عبارة عن مفارقة الروح للجسد ولكن يبقی للروح بعد الموت علاقة مابالجسد الذی فارقته وبهذه العلاقة يتالم الجسد بعذاب القبر و يتنعم بنعيم البرزخ "۔

(تكملة الفتح، جلد: ٦، صفحه: ١٩، ط: دار القلم، بيروت)

"نصوص میں غور کرنے سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ "موت" اگرچہ جسم سے روح کے الگ ہونے کا نام ہے، مگر موت کے بعد روح کا یک گونہ تعلق اس جسم سے رہتا ہے کہ جس (جسم) سے وہ الگ ہوئی ہے۔ اور اسی تعلق کی وجہ سے جسم عذابِ قبر کی تکلیف کو بھی محسوس کرتا ہے اور برزخی نعمتوں سے بھی محظوظ ہوتا ہے"۔

آگے لکھتے ہیں:

"ولكن هذه العلاقة لاتكون لجميع الموتی علی مستوی واحد....بماأن هذه العلاقة فی عامة الموتی ضعيفة جدا فإن أجسادهم تاكلها الأرض واما الشهداء فعلاقة أرواحهم باجسادهم اقوی.. حتی أن الأرض لاتاكل اجسادهم فاطلق القرآن عليهم اسم الأحياء...فحياتهم جسمانية.....وأماالأنبياء عليهم الصلوة والسلام فعلاقة أرواحهم باجسادهم الشريفة أقوی العلاقات التی تتصورفی إنسان بعد طريان الموت عليه وأن هذه العلاقة

Telegram : t.me/pasbanehaq1

القوية قد أثرت على بعض الأحكام الدنيوية أيضا فلاتقسم أموالهم بين ورثتهم ولايجوز أن ينكح أزواجهم بعد وفاتهم"۔(المرجع السابق).

"لیکن سب مُردوں میں یہ تعلق برابر درجے میں نہیں ہوتا..... چناں چہ عام مُردوں میں یہ (روح وجسم کا) تعلق بہت کمزور قسم کا ہوتا ہے، اور (عموماً) ان کے اجسام کو مٹی کھا جاتی ہے.....اور شہداء کی ارواح کا ان کے اجسام سے تعلق بہت قوی ہوتا ہے، یہاں تک کہ (اس نوع کی حیات ان کے اجسام کو حاصل ہونے کی وجہ سے) زمین ان کے اجسام کو نہیں کھاتی۔ اس لیے قرآن نے ان کو زندہ کہا کہ ان کی یہ (قبر والی) حیات جسمانی ہے .....اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح کا اپنے اجسادِ شریفہ سے تعلق بعد از موت کسی بھی انسان میں متصور سب سے زیادہ قوی تعلق جو ممکن ہوسکتا ہے، اس درجے کا ہوتا ہے۔ اور اس قوی تعلق نے بعض احکامِ دنیویہ پر بھی اثر ڈالا۔ چناں چہ ان (انبیاء علیہم السلام) کے اموال ان کے ورثہ میں (بطورِ میراث) تقسیم نہیں کیے جاتے اور ان کی وفات کے بعد ان کی ازواج سے نکاح جائز نہیں ہوتا"۔

نبی اور شہید کے علاوہ مؤذن اور حافظِ قرآن کے اجسام بھی بعدِ موت زمین کی دست برد سے محفوظ رہنا طبرانی، عبدالرزاق اور ابنِ مندہ کی روایات میں آیا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کے مال میں میراث جاری نہ ہونے کی وجہ بعدِ موت ان نفوسِ قدسیہ کو ملنے والی جسمانی حیات کا ہونا مفسرین و مصنفینِ کتبِ سیرت کے علاوہ امام الحرمین علامہ عبدالمالک

Telegram : t.me/pasbanehaq1

الجوینیؒ متوفی سنہ ۴۷۸ھ نے بھی اپنی مشہور فقہی تصنیف ''نهاية المطلب'' میں نہایت شاندار انداز میں بیان کیا ہے۔ اوراس پر عمل درآمد کو حضرت صدیق اکبرؓ کے عقیدۂ حیاۃ الانبیاء پر مبنی قرار دیا ہے۔ علامہ جوینیؒ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

''قال صلى الله عليه وسلم نحن معاشر الأنبياء لانورث فكان ماخلفه على ماكان عليه فى حياته وكان الصديقؓ ينفق منه على أهله وخدمه ويراه باقيا على ملك رسول الله صلى الله عليه وسلم لأن الأنبياء أحياء وهذا هو الصحيح الموافق لسيرة الصديق''۔(نهاية المطلب فى دراية المذهب للامام الجوینیؒ، جلد ۱۲ صفحه ۲۱ ط: دار المنهاج، جدة)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''ہم جماعتِ انبیاء کی میراث جاری نہیں ہوتی'' چناں چہ آپ کا متروکہ مال اسی حالت پر رہا جس حالت پر آپ کی حیات میں تھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ اس مال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام پر خرچ کیا کرتے تھے، اور آپؓ اس (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکہ مال) کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں بہ دستور باقی سمجھتے تھے، کیوں کہ سب انبیاء (اپنی قبروں میں) زندہ ہیں۔ اور یہی صحیح ہے جو کہ سیرتِ صدیقؓ کے مناسب بھی ہے''۔

بعد کے خلفاءؓ نے بھی صدیقؓ کے فیصلے سے اتفاق کر کے ضمناً حیاۃ الانبیاء کے مسئلے کو صاف کر دیا۔ اس سے واضح ہے کہ حیاۃ الانبیاء کا عقیدہ شروع دن سے ہی اجماعی چلا آرہا ہے۔ اور اجماع کتاب وسنت کی طرح قطعی دلیل ہے (کما فی کتبِ اصولِ الفقه)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اور متواترِ حکمی ہے (کمافی شرح العقائد)۔اس لیے یہی اس عقیدے کے اثبات کے لیے کافی ہے۔آج کے دور کے بدفہم وبددین احادیثِ حیاۃ الانبیاء کو اخبارِ آحاد کہہ کر اثباتِ عقائد کے لیے ناکافی کہہ دیتے ہیں۔جب کہ:

اولاً: تو مضمونِ حدیث پر اجماعِ امت کی بنا پر یہ متواتر کے حکم میں ہے۔

ثانیاً: حیاتِ شہداء کی نص قرآنی کی عبارت ودلالت اس حدیث کی اصل ہے (کمافی تکملة الفتح وغیرہ)

ثالثاً: یہ نری خبرِ واحد نہیں، اس حدیث کو پوری امتِ مسلمہ کی طرف سے سندِ قبولیت ملی ہوئی ہے اور اس کے مضمون پر پوری امتِ مسلمہ کا اجماعی عقیدہ اس کا ثبوت ہے۔ائمۂ اربعہ میں سے امام احمدؒ کا عقیدہ تھا:

''الأنبیاء احیاء فی قبورهم یصلون (وکان یقول : إن الأنبیاء أحیاء فی قبورهم یصلون ''۔(اعتقادالامام المبجل ابن حنبل ، ص: ۳۰۳،العقیدة(روایة ابی بکر الخلال)ص: ۱۲۱)

مالکیہ کہتے ہیں:

''الأنبیاء أحیاء فی قبورهم یصلون ''۔(منح الجلیل شرح مختصر الخلیل،ج:۳ص :۲۴۸ وفتح العلی المالک فی الفتوی علی مذهب الامام مالک ،ج: ۱ ص: ۳۹و۴۰)

شافعیہ کہتے ہیں:

''الأنبیاء أحیاء فی قبورهم یصلون ''۔(تحفة المحتاج شرح المنهاج،ج:۳ص: ۱۵۲ ، ونهایة المحتاج لشمس الدین الرملی، ج:۳ ، ص: ۳۲۰)

حنفیہ کہتے ہیں:

Telegram : t.me/pasbanehaq1

''الأنبیاء أحیاء فی قبورھم کماورد فی الحدیث''۔

(رسائل ابن عابدین للعلامۃ الشامی ج:۲صفحہ:۲۰۲ورد المحتار، ج:۴صفحہ:۱۵۱)

اوراس طرح کی حدیث کی صحت کا قطعی اوراس کے مضمون کا یقینی ہونا کتبِ مذاہب اربعہ وکتبِ اصولِ حدیث میں مذکور ہے۔ تلقیٔ امت بالقبول کے بعد وقوفِ عرفہ کی فرضیت و رکنیت ''الحج عرفۃ'' کی حدیث جیسی خبرِ واحد سے ثابت ہونا شامی وغیرہ میں بھی مذکور ہے، تو حیاتِ انبیاء کا ثبوت ایسی خبرِ واحد سے کیوں نہیں ہوسکتا؟

رابعاً: بر سبیل تنزل، احوالِ قبر اور حساب وکتاب وغیرہ امورِ غیبیہ اخرویہ کی تفصیلات اخبارِ آحاد ہی سے تو ثابت ہیں، کما قال اللکنویؒ ،وھو الظاھر من کتب العقائد،تو انبیاء علیہم السلام کے احوالِ قبریہ اخبارِ آحاد سے کیوں ثابت نہیں ہوسکتے؟؟!!۔

خامساً: عذابِ قبر کی احادیث سے حیاتِ قبریہ ثابت ہونا پہلے گزر چکا ہے، اور عذابِ قبر کی احادیث متواتر ہیں۔(العقیدۃ الواسطیۃ، کتاب الارشاد، کتب عقائد، شروحِ حدیث) لہٰذا انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ قبریہ بھی عذاب ونعیمِ قبر کی احادیثِ متواترہ سے ثابت ہونا واضح ہے، اور زیرِ نظر حدیثِ صحیح وصریح میں اسی کی تصریح ہے۔ البتہ اس میں حیات الانبیاء فی القبور کی تصریح کے ساتھ عملِ صلوٰۃ کی انجام دہی کے الفاظ میں دراصل اس حیاتِ قبریہ کے (بہ تعلقِ روح وجسم) جسمانی ہونے کے علاوہ عام لوگوں کی بہ نسبت ان نفوسِ قدسیہ کی قبروں میں حیات بہ درجہا فائق اور اعلیٰ واتم ہونے کا ذکر ہے جو کہ مقامِ نبوت کے عین مناسب ہی نہیں، عین مقتضیٰ بھی ہے۔ بعض مدعیانِ علم غیر مقلدین کی روش اپناتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ حدیث ''مخصوص'' کتبِ حدیث میں نہیں ہے، اس لیے ہم اس کو تسلیم کرنے سے قاصر ہیں۔ جب کہ صحتِ حدیث ہو یا درجۂ صحت، دونوں کا مدار سند پر ہے۔ مخصوص کتب میں ہونے پر نہیں، حتیٰ کہ محقق ابن الہمامؒ نے فتح القدیر میں اس کو ہٹ دھرمی قرار دیا ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ماضیٔ قریب کے حنفی محقق شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ عظیم محقق محدث، راقم کے استاد حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ و دیگر اکابر محدثین نے نہایت مدلل طریقے سے اس نظریے پر رد کیا ہے۔ یہ دراصل دلائلِ حنفیہ پر لکیر پھیرنے کا نظریہ ہے، جس کا اصولِ حدیث سے زیادہ اصولِ تعصب مذہبی سے تعلق ہے، اس لیے مردود ہے۔ حافظ ابنِ کثیرؒ (متوفی سنہ ۷۷۴ھ) تو مسندِ احمد کی ایسی کثیر تعداد احادیث کو صحیح بخاری و مسلم کی احادیث کا ہم رتبہ قرار دیتے ہیں کہ جو صرف صحیح بخاری و مسلم ہی نہیں، بلکہ باقی سننِ اربعہ میں بھی ان کا کوئی وجود نہیں۔ (اختصار علوم الحدیث للامام ابن کثیرؒ، صفحہ: ۳۷) اور آگے صفحہ: ۳۸ پر امام ابن کثیرؒ نے مسند ابویعلی اور مسندِ بزار (کہ جن میں حیاتِ انبیاء کی زیرِ بحث صریح احادیث مذکور ہے) کا ذکر کر کے فرمایا کہ "ان کتابوں میں بھی ایسی احادیثِ صحیحہ موجود ہیں"۔ سو حافظ ابن کثیرؒ نے طبقاتِ متاخرہ کی کتب میں مذکور احادیث کو صحیحین جیسی طبقۂ اولی کی کتب میں درج احادیث کا درجہ دے کر واضح کر دیا کہ کسی بھی حدیثِ صحیح کا درجہ متعین کرنے کے لیے مدار اس حدیث کی سند و رجالِ سند ہے، طبقاتِ کتب کا کوئی اعتبار نہیں۔ البتہ مقدمۂ موضوعات میں امام ابن جوزیؒ نے چوں کہ ہر صحیح حدیث کی اصل صحاحِ ستہ میں ہونا ذکر کیا ہے جو کافی حد تک معقول بھی ہے، اس لیے بندہ نے زیرِ نظر رسالے میں قبروں میں حیات و صلوۃِ انبیاء کی حدیث کی اصل کے طور پر صحاحِ ستہ سے اس نوع کی احادیث بھی ذکر کر دی ہیں اور ائمۂ اربعہ سے منقول مؤید روایات بھی، تاکہ اطمینانِ قلب کو جلاء ملے اور امام ابنِ جوزیؒ کے مطابق صحاح ستہ میں اصلِ حدیثِ صحیح موجود ہونے کا مطالبہ بھی پورا ہو۔ ورنہ کثیر تعداد اکابر محدثین کی طرف سے زیرِ نظر حدیث کی صحت کی صراحت اور اس کی اسانید کے ایک ایک راوی کی توثیق کے بعد اس کی چنداں ضرورت نہ تھی، کیوں کہ توثیقِ رجال و رواۃ سے تحققِ صحت کے بعد جب اکابر محدثین کی تصریحِ صحت سے احتمالِ علتِ خفیہ بھی ختم ہو گیا تو اس کے بعد صحتِ حدیث میں کوئی شبہ نہیں رہا، اس لیے کہ اس کے بعد کوئی چیز ایسی نہیں رہی کہ جس پر صحتِ حدیث موقوف ہو۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

.....

واضح رہے کہ اہلِ سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اور یہ عقیدہ اس حدیث میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے، اور یہی حدیث زیرِ نظر رسالے کا اصل موضوع ہے۔ راقم الحروف اس حدیث کی سات اسانید پر مطلع ہوسکا ہے جن میں سے تین اسانید صحیح لذاتہ ہیں اور چار صحیح لغیرہ۔ صحیح لذاتہ تین اسانید کے سارے راوی محدثین و ماہرینِ فنِ رجال کی نظر میں ثقہ ہیں۔ جب کہ صحیح لغیرہ کی چار اسانید میں صرف ایک حسن بن قتیبہ نامی راوی کے علاوہ سب ہی راوی ثقہ ہیں۔ اور اس ابنِ قتیبہ میں خطا و مخالفتِ ثقات کی بات ابنِ حبانؒ نے ہی ذکر کی ہے کہ جس کو بعد کے حضرات نے اپنی کتابوں میں نقل کیا۔ مگر ابنِ حبانؒ نے جس کتاب میں یہ بات ذکر کی ہے، وہ ثقہ راویوں کے حالات کی کتاب ہے اور اس کتاب کا نام ہے "کتاب الثقات" (کما یاتی)۔ جس سے واضح ہے کہ ابنِ قتیبہ "ثقہ راوی ہیں، البتہ اس شرط کے ساتھ کہ پختہ یاد رکھنے والے کسی راوی سے اس کی تائید ملے۔ اس لیے اس ابنِ قتیبہؒ کی اسانید تائیدی روایات کے پیشِ نظر صحیح لغیرہ ہونا ظاہر ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حسن ابن قتیبہؒ کے دین و اعمال پر کسی نے کوئی سوال نہیں اٹھایا۔ اور یہی وجہ ہے کہ علامہ جمال الدین قفطیؒ (متوفی سنہ ۶۴۶ھ) نے ان کو ائمۂ اَثبات یعنی ثقہ ائمہ میں شمار کیا ہے۔ (انظر: إنباه الرواة للقفطیؒ جلد: ۳ صفحه: ۲۲۸ رقم الترجمة: ۷۲۶) جب کہ کسی بھی راوی میں سب سے اہم چیز اس کی عدالت و ثقاہت ہی ہوتی ہے جو کہ ابنِ قتیبہ میں موجود ہے۔

.....

انبیاء علیہم السلام کی یہ حیاتِ قبریہ چلت پھرت والی مکمل حیاتِ دنیویہ نہیں، بلکہ جسم و روح کے تعلق کے ساتھ ہونے کی بنا پر جسمانی ہے۔ اور جسم چوں کہ زمینی قبر میں ہے،

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اس لیے یہ حیات ان حضرات کو "لحد" یعنی زمینی قبر میں حاصل ہے۔امام ذہبیؒ نا قابلِ تاویل لفظ "لحد" کے ساتھ فرماتے ہیں: "وهو حی فی لحده "۔(سیر اعلام النبلاء ج: ۹ ص: ۱۶۱) "آپ ﷺ اپنی "لحد" (روضۂ اطہر) میں زندہ ہیں"۔اور اس حیاتِ جسمانی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ مطہرہ میں سماعِ صلوۃ وسلام فرماتے ہیں، جب کہ قریب سے پیش کیا جائے، دور کہیں سے ہو تو مقررہ فرشتوں کے پہنچانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُسے سنتے ہیں اور دونوں ہی صورتوں میں بعدِ سماع جواب بھی دیتے ہیں۔اور فقیہ النفس وتبحر فی المذہب، سرتاجِ علمائے دیوبند علامہ رشید احمد گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کا اختلاف نہیں۔(فتاوی رشیدیہ ج:۱ص۱۰۰) اور امام ابن الملقن شافعیؒ لکھتے ہیں:

"والأمة مجمعة علی زيارة قبر سيدنا محمد ﷺ وأبی بكر وعمرؓ "۔(التوضيح شرح صحيح البخاری ج: ۹ص: ۵۱۳)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی قبروں کی زیارت پر امت کا اجماع ہے"۔

صحاح ستہ کے علاوہ درود شریف کے موضوع پر لکھی گئی عربی کتابوں میں سماعِ درود (قریب کا بہ نفسِ نفیس اور دور کا بواسطۂ ملائکہ) کی احادیثِ صریحہ اسانیدِ صحیحہ کے ساتھ مذکور ہیں، اس لیے روضۂ مبارکہ پر حاضری دینے کا اجماعی نظریہ واضح ہے۔اب اس نظریے کے برخلاف یہ کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر جگہ حاضر ناظر ہیں اور ہر جگہ سے بذاتِ خود سنتے ہیں (جیسے جہلِ مرکب کے حامل بریلویوں کا عقیدہ ہے) پھر روضے کے پاس جانے کی کیا ضرورت؟ یا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو روضے کے پاس سے بھی نہیں سنتے (جیسے گمراہ مماتی لوگ کہتے ہیں) پھر وہاں جانے کا کیا فائدہ؟ یہ دونوں نظریے امتِ مسلمہ کے اجماع کے خلاف ہو کر مردود وباطل ہیں۔اور وفاتِ نبوی پر وارد خطبۂ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صدیق اکبرؓ سے انکارِ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم معتزلہ اور اس فرقے کے ہم عقیدہ لوگ ہی کرتے ہیں۔(کما قال الامام العینی الحنفیؒ فی شرح صحیح البخاری ج:۸، ص:۱۸۵) اور انکارِ حیات النبی وسماع صلوٰۃ وسلام از قریب کی نسبت امام ابنِ تیمیہؒ کی طرف کرنا غلط ہے، جیسا کہ فتاویٰ ابن تیمیہؒ سے واضح ہے۔ اور دعاوی المناوئین میں ہے:

''اما المفترون علی ابن تیمیة بانه لایری حیاة الانبیاء فهذا باطل بل هو صرح بحیاتهم فی قبورهم''۔

''ابن تیمیہؒ پر افتراء پردازوں کا یہ افتراء کہ وہ حیاۃ الانبیاء کے قائل نہ تھے، باطل ہے، کیوں کہ انہوں نے تو صراحت کے ساتھ بتایا ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں''۔

اسی طرح بعض سلفی ونجدی جو اس کو شیخ محمد بن عبدالوہاب کی طرف منسوب کرتے ہیں، یہ بھی صریح غلط ہے، جیسا کہ اتحاف النبلاء سے واضح ہے۔ یہ دونوں حضرات شرک وبدعت کے خلاف تاحیات حدِ غلو تک جدوجہد کرتے رہنے کے باوجود حیات النبی کے بھی قائل تھے اور سماع عند الروضۃ کے بھی، کیوں کہ یہ پوری امت کا عقیدہ ہے۔ روضے کے پاس جا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پکارنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب دینے کی حدیثِ صحیح مسند ابویعلیٰ وغیرہ میں ہے۔ حضرت ام کلثوم بنتِ ابی بکرؓ کا اپنی بہن حضرت عائشہ بنتِ صدیقؓ سے یہ کہنا کہ: (اگر تم نے میرا رشتہ فلاں شخص سے کرنے پر اصرار کیا) لأصیحن علی قبر رسول اللہ ﷺ (اسد الغابة، الاستیعاب، مشیخة ابن عساکر، تاریخ دمشق وغیرہ) ''میں روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جا کے چیخوں گی'' اس سے صدیقِ اکبرؓ کی مذکورہ دونوں صاحبزادیوں کا عقیدۂ حیات وسماع من الروضۃ واضح ہے۔ اور صدیقِ اکبرؓ کا عقیدۂ حیات امام الحرمینؒ کی زبانی پہلے گزر چکا ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اور عقیدۂ سماع من الروضۃ پر ان کی وہ وصیت دلالت کرتی ہے کہ جس میں انہوں نے احاطۂ روضہ میں اپنی تدفین کو طلبِ اجازت کے بعد روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے باقاعدہ اجازت ملنے سے مشروط کیا۔(رواہ الخطیب فی روۃ مالک وابن عساکر فی تاریخه و السیوطی فی الخصائص وذکرہ العلامة الغزیؒ فی حسن التنبه والامام الرازی فی تفسیرہ ونقله المحدث الدهلوی والمجدد التهانویؒ) ۔حضرت عائشہؓ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس کے گھروں سے کیل ٹھونکنے کی آواز آنے پر تڑپ جاتیں اور کہلا بھیجتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ دو۔(کمافی الخلاصة) ۔حضرت عمرؓ نے حضرت کعب احبارؒ کو بعدِ قبولِ اسلام سرزمینِ شام سے روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دینے کی تلقین کی۔(فتوح الشام) نیز آپؓ نے روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو "مضجع" یعنی "خواب گاہ" سے تعبیر کیا۔(بخاری، کتاب الجنائز) جو حیات پر دال ہے۔(کمایدل علیه کلام الامام السبکیؒ فی لفظة "مرقد" من سورة یٰس: إنه یشعر بالحیاة لأن الرقاد للحی ۔شفاء السقام، ص: ۲۰۴) اور حضرت عبداللہ بن مرثد کا روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر صیغۂ خطاب کے ساتھ سلام پیش کرنا موطأ امام مالک سمیت بہت سی کتبِ احادیث میں ہے، جو قارئین اس رسالے کے آخری صفحوں میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ اور اس کی وجہ امام ابنِ تیمیہؒ (جو کہ شرک وبدعات کے خلاف جدوجہد کی دنیا میں مشہور شخصیت ہیں) کے رنگ میں رنگے ہوئے ان کے خاص الخاص شاگرد امام ابن القیمؒ یہ لکھتے ہیں:

"وهذا خطاب لمن یسمع ویعقل ....والسلف مجمعون علی هذا وقد تواترت الآثار عنهم بأن المیت یعرف زیارة الحی له ویستبشر به(الروح، ص:۷، ط:دار الفکر)

"یہ خطاب ان سے ہے جو سنتے سمجھتے ہیں.....سلف کا اس پر اجماع ہے، اور اس بارے میں ان سے آثارِ متواترہ منقول ہیں کہ وفات یافتہ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

شخص زندہ شخص کی زیارت کو (اس کی آواز سے) پہچانتا ہے اور اسے اس سے خوشی بھی ہوتی ہے"۔

اور حضرت ابنِ عمرؓ کے علاوہ حضرت انسؓ کا (جو کہ زیرِ بحث حدیثِ حیاۃ الانبیاء کو زبانِ نبوت سے براہِ راست سننے والے ہیں) روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہو کر سلام عرض کرنا شعب الایمان للبیہقیؒ، شرف المصطفی لأبی سعد النیسابوریؒ، إمتاع الأسماع للمقریزیؒ، القول البدیع للسخاویؒ، الشفاء للقاضی عیاضؒ، الدر المنثور للسیوطیؒ، إحیاء العلوم للغزالیؒ وغیرہ میں مذکور ہے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کی روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری مسندِ بزار میں، حضرت علیؓ کی حاضری سننِ دار قطنی میں، حضرت معاذ بن جبلؓ کی حاضری معرفۃ الصحابہؓ میں مذکور ہے۔ اور بھی متعدد صحابہؓ کے متعلق کتابوں میں تصریح آئی ہے، جس سے قریب روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ الم نشرح ہو جاتا ہے۔ اس لیے علمائے دیوبند کی کتبِ فتاویٰ میں متفقہ طور پر یہ عقیدہ درج ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روضے کے پاس سے خود صلوٰۃ وسلام کا سماع فرماتے ہیں اور دور کا فرشتوں کے پہنچانے پر سماع فرماتے ہیں۔ دیکھیے: کفایۃ المفتی، جلد: ا صفحہ: ۲۰۲، وغیرہ۔ حضرت مجدد تھانویؒ سے سندِ اعتدال حاصل کرنے والے مناظرِ اہلِ سنت والجماعت علامہ محمد منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں: اور یہ تصور کرتے ہوئے کہ میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری گزارش بہ نفسِ نفیس سُن رہے ہیں، پورے ادب کے ساتھ ہلکی آواز سے سلام عرض کیجیے!۔ (آپ حج کیسے کریں، صفحہ: ۹۲، ط: دار الاشاعت)

.....

زیرِ نظر رسالے کا موضوع جو حدیث ہے، اس میں یہ ہے کہ "انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں"۔ اور "قبر" سے زمینی قبر مراد ہونا امام ذہبیؒ کے حوالے سے گزر چکا ہے۔ نیز نصوص میں اسی معنی میں یہ لفظ استعمال ہونا متبادر اور متوارث

Telegram : t.me/pasbanehaq1

طریقے سے ثابت ہے، اور انبیاء علیہم السلام کے لیے "قبور" کا لفظ جمع کے ساتھ استعمال ہونا بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ ہر نبی اپنی قبر میں زندہ ہیں، جب کہ برزخ تو عالمِ واحد ہے کہ جس میں بعدِ وفات سب لوگ ہوتے ہیں۔ صحیح مسلم کی حدیث کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفرِ معراج کے دوران راستے میں نماز پڑھتے نظر آئے، وہ سرخ ٹیلے کے پاس کی زمینی قبر ہی میں نظر آئے، اس لیے زیرِ بحث حدیث میں زمینی قبر ہی مراد ہونا واضح ہے کہ یہ اِسی قولی حدیث کی تشریح وتصدیق پر مشتمل فعلی حدیث ہے۔ اور قبر میں جسم ہوتا ہے، اس لیے قبر میں یہ حیات جسمانی ہونا بھی ظاہر ہے۔ حدیث کے اس مضمون پر ایمان' امام ذہبیؒ کے بقول واجب ہے۔ (سیر اعلام النبلاء جلد:۹،ص: ۲۲۰) اور دارالعلوم دیوبند کے شیخ التفسیر علامہ محمد ادریس کاندھلویؒ کے بقول: تمام اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز وعبادات میں مشغول ہیں..... بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے۔ (حیاتِ نبوی، صفحہ:۲) علامہ تورپشتی حنفیؒ کی المعتمد فی المعتقد، ملا علی قاری حنفیؒ کی شرحِ شفاء، امام شمس الدین ذہبیؒ کی سیر أعلام النبلاء، علامہ سبکیؒ کی طبقات الشافعیة الکبری، علامہ سخاویؒ کی القول البدیع، علامہ ابن حجر ہیتمیؒ کی الدر المنضود وغیرہ میں بھی حدیث کے اس مضمون کے عقائد میں سے ہونے کی تصریح ہے۔ جو مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کے لیے قبر میں دودھ پلانے والی مقرر کیے جانے کو برحق سمجھے گا (کما فی صحیح مسلم) اس کے لیے یہ عقیدہ کوئی بڑی بات نہیں۔ اور جو مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مکمل دنیوی حیات کے ساتھ زندہ تسلیم کرتا ہو، اصحابِ کہف کے کئی سو سال تک بحالتِ نیند (بہ تعلقِ روح) زندہ رہنے کو مانتا ہو، اس کے لیے یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ سوالات اٹھائے جائیں کہ وہ لوازماتِ زندگی کہاں سے پورے کرتے ہیں..... وغیرہ، وغیرہ۔ بالخصوص جب کہ حیاتِ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

انبیاء کا مطلب روح وجسم کے تعلق کے ساتھ حیاتِ جسمانی ہے، جیسے دنیا میں سوتے میں ایسی حیات ہوتی ہے اور امام ذہبیؒ نے اس بارے میں اصحابِ کہف کی مثال بھی پیش کی ہے، مگر ہیں وہ (انبیاء علیہم السلام) جہانِ دیگر اور عالمِ آخرت کی پہلی منزل میں۔ جہاں خرقِ عادت کے عادت ہونے کا نظام رائج ہے، سامانِ اکل وشرب میں دیدہ، شنیدہ نہ ہونے کی شرط عائد ہے، انسانی خیال کے دائرے میں داخل اشیائے خورد ونوش پر پابندی عائد اور ماوراء کی اجازت ہے، اس لیے کہ نبی کی قبر تو جنت کا ٹکڑا ہوتی ہے (''القبر روضة من ریاض الجنة ''کما فی العقیدة الطحاویة و شرح العقائد وغیرهما) اور جنت کے احوال یہی ہیں، اس لیے جنت کے مکین کے بارے میں ایسی گھٹیا باتیں ایمان کے فطور کے علاوہ نہایت گستاخانہ بھی ہیں۔ اللہ ہم سب کو ایمان کی سلامتی نصیب فرمائے (آمین)۔ اور جو مسلمان امورِ مابعد الموت کو ''ایمان بالغیب'' کے تحت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سمجھ کر تسلیم کرنے کو ''ایمان'' سمجھے گا، وہ اس زیرِ بحث حدیث کو اسی طرح اپنا عقیدہ بنائے گا جیسے پوری امت نے اس کو اپنا عقیدہ بنایا ہے۔

آخر میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے بہ صد عجز ونیاز دعا ہے کہ وہ اس رسالے کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور محض اپنے فضل سے اِسے قارئین کے لیے مفید، راقم کے لیے ذریعۂ شفاعتِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور متلاشیانِ حق کے لیے حصولِ ہدایت کا باعث بنائے۔ امین بوسیلة النبی الکریم علیه الصلوٰة والسلام فی کل حین۔

کتبہ: محمد عبدالغنی کان اللہ لہ

فاضل درسِ نظامی وتخصص فی الحدیث والافتاء

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی

۱۴۳۵/۳/۳۰ھ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

تین صحیح لذاتہ روایات

(۱)

مسند ابو یعلی کی روایت

Telegram : t.me/pasbanehaq1

(۱)

مسند ابویعلی کی روایت

''حدثنا ابو الجهم الازرق بن علی حدثنا یحیی بن ابی بکیر حدثنا المستلم بن سعید عن الحجاج عن ثابت البنانی عن انس بن مالکؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلّون۔''(۱)

'' ابوالجہم ارزق بن علی نے ہمیں حدیث بیان کی، فرمایا: ہمیں یحییٰ بن ابی بکیر نے حدیث سنائی، فرمایا: ہمیں مستلم بن سعید نے حدیث سنائی، حجاج سے، انہوں نے ثابت سے، انہوں نے انس بن مالکؓ سے (انس بن مالکؓ نے) فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء اپنی قبروں میں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔''

امام بیہقیؒ (احمد بن الحسین) متوفی ۴۵۸ھ مسند ابویعلی کی اس روایت کو اپنی سند سے اس طرح نقل کرتے ہیں:

''اخبرنا الثقة من اهل العلم قال انبا ابو عمرو بن حمدان قال ابویعلی الموصلی ثنا ابو الجهم الا زرق بن علی ثنا یحیی بن ابی بکیر ثنا المستلم بن سعید عن الحجاج عن ثابت عن انس بن مالکؓ قال قال رسول الله صلی الله

(۱) مسند ابی یعلی الموصلی جلد ۶ صفحہ ۱۴۷ رقم ۳۴۲۵ تحقیق حسین سلیم اسد طبعة مکتبة الرشد الریاض (السعودیة) ط الاولی ۱۴۳۰ھ ۲۰۰۹ء

Telegram : t.me/pasbanehaq1

علیه وسلم الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلّون۔"(۲)

محدث ہیثمیؒ (ابوالحسن نورالدین علی بن ابی بکر) متوفی ۸۰۷ھ زوائد مسند ابو یعلی میں بعینہ مسند ابویعلی کی عبارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حدثنا ابو الجهم الا زرق بن علی حدثنا یحیی بن ابی بکیر حدثنا المستلم بن سعید عن الحجاج عن ثابت البنانی عن انس بن مالکؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلّون۔"(۳)

امام بوصیری (ابوالعباس شہاب الدین احمد بن ابی بکر) متوفی ۸۴۰ھ لکھتے ہیں:

"قال ابو یعلی الموصلی ثنا ابو الجهم الازرق بن علی حدثنا یحیی بن ابی بکیر ثنا المستلم بن سعید عن الحجاج عن ثابت البنانی عن انس بن مالکؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلّون۔"(۴)

علامہ صالحی شامیؒ (محمد بن یوسف) متوفی ۹۴۲ھ مسند ابویعلی کی سند اس طرح نقل کرتے ہیں:

"وروی ابویعلی: حدثنا ابو الجهم الا زرق بن علی حدثنا

---

(۲) حیاة الانبیاء فی قبورهم للبیهقیؒ صفحه ۳ رقم : ۱. وشفاء السقام لتقی الدین السبکیؒ صفحه ۱۸۰ الباب التاسع.

(۳) المقصد العلی فی زوائد ابی یعلی الموصلی للهیثمیؒ جلد ۳ صفحه ۱۳۱ رقم الحدیث ۱۲۳۹ طبعة دارالکتب العلمیة بیروت ،تحقیق سید کسروی حسن.

(۴) اتحاف الخیرة المهرة بزوائد المسانید العشرة للبوصیریؒ جلد ۹ صفحه ۱۹۴ رقم الحدیث ۸۸۰۲ طبعة مکتبة الرشد. الریاض.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

یحیی بن ابی بکیر حدثنا المستلم بن سعید عن الحجاج (زاد ابن عدی:ابن الاسود) عن ثابت البنانی۔"(۵)

حافظ ابن حجرؒ (ابوالفضل احمد بن علی) متوفی ۸۵۲ھ ان الفاظ میں مذکورہ بالا روایتِ مسند ابویعلی نقل کرتے ہیں۔

"قال ابو یعلی:حدثنا ابو الجهم الازرق بن علی ثنا یحیی بن ابی بکیر..... ثنا المستلم بن سعید عن الحجاج عن ثابت البنانی عن انس بن مالکؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلّون۔"(۶)

نقطوں کی جگہ حافظ ابن حجرؒ نے حسن بن قتیبہ کی سند جو کہ مستلم بن سعید میں جا کر ابویعلی کی سند کی طرح ہے وہ ذکر کی ہے اس لیے کہ مستلم سے روایت کرنے والے حسنؒ بھی ہیں یحییٰ بھی۔ یہ دراصل مستلم سے روایت کرنے میں تفردِ حسن بن قتیبہ کے اعتراض کی نفی ہے جیسا کہ آگے آئیگا۔

مسند ابویعلی کی روایت کو مذکورہ بالا تمام محدثین نے ابویعلی کی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔اور مسند ابویعلی کی سند کے رجال سے آگاہ ہونے کے لیے ان میں سے کسی بھی کتاب کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے اس لیے ہم نے یہاں اِن تمام حوالوں کو جمع کر دیا ہے تا کہ ہر قاری اپنے ہاں میسر ان میں سے کسی بھی کتاب سے ابویعلی کی سند کے رجال معلوم کر کے اس سند کی صحت کو جانچ سکے۔

---

(۵)سبل الهدی والرشاد فی سیرة خیر العباد للعلامة الصالحیؒ جلد ۱۲ صفحه ۳۵۲۔

(۶)المطالب العالیة بزوائد المسانید الثمانیة لابن حجر العسقلانیؒ جلد ۱۴ صفحه ۲۲۶ رقم الحدیث ۴۴۶ طبعة دار العاصمة السعودیة.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صحت سندِ بالا پر ائمہ حدیث کی تصریحات

ابو یعلی کی سندِ مذکور سے مروی اس حدیث کے بارے میں اکابر محدثین کے اقوال ملاحظہ فرمائیے:

امام ابن الملقن (سراج الدین ابو حفص عمر بن علی) متوفی ۸۰۴ھ امام بیہقیؒ کا قول یہ نقل کرتے ہیں:

''قال البیهقی: وقد روی من حدیث یحیی بن ابی بکیر عن المستلم بن سعید به قال ای البیهقی فی غیر هذا الکتاب. وهذا اسناد صحیح۔''(۷)

''امام بیہقیؒ نے فرمایا: اور یہ حدیث (الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون) یحیی بن ابی بکیر نے مستلم بن سعید سے اسی سند سے روایت کی ہے (آگے انہوں نے مسند ابو یعلیٰ کی سند سے روایت نقل کی) اور فرمایا۔ یعنی بیہقی نے اس (حیات الانبیاء فی قبورهم سے موسوم) کتاب کے علاوہ اپنی ایک دوسری کتاب میں فرمایا کہ یہ (مسند ابو یعلیٰ کی سند) سندِ صحیح ہے''۔

امام ابن الملقنؒ متوفی ۸۰۴ھ آگے فرماتے ہیں:

''وهو کما قال لان رجاله کلهم ثقات۔''(۸)

''اور یہ سند واقعی اس طرح ہے (صحیح ہے) جیسے انہوں نے (بیہقیؒ نے) فرمایا اس لیے کہ اس (سند) کے سارے راوی ثقہ ہیں''۔

---

(۷) البدر المنیر لابن الملقنؒ جلد ۱۳ صفحہ ۱۶۸، ۱۶۷ طبعة دار العاصمة، الریاض.

(۸) البدر المنیر فی تخریج الاحادیث والآثار الواقعة فی الشرح الکبیر لابن الملقن المصری الشافعیؒ جلد: ۱۳ صفحہ: ۱۶۷-۱۶۸.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

علامہ محمد بن عبدالرحمٰن سخاویؒ متوفی ۱۳۱۷ھ ابن الملقنؒ سے اتفاق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

صح ان الانبیاء احیاء فی قبورھم کذاقال ابن الملقنؒ وغیرہ۔"(۹)

"صحیح سند سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ ابن الملقنؒ نے اسی طرح فرمایا ہے اور ان کے علاوہ (حضرات) نے بھی"۔

اسانید حدیث پر گہری نظر رکھنے والے مشہور محدث علامہ ہیثمیؒ (نورالدین علی بن ابی بکر) متوفی ۸۰۷ھ فرماتے ہیں:

"عن انس بن مالکؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون رواہ ابو یعلی والبزار ورجال ابی یعلی ثقات۔"(۱۰)

"حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں۔ اسکو ابو یعلیٰ اور بزار نے روایت کیا اور ابو یعلیٰ کے سارے راوی ثقہ ہیں"۔

معروف سیرت نگار محدث علامہ سمہودیؒ (علی بن عبداللہ) متوفی ۹۱۱ھ فرماتے ہیں:

"ولا بن عدی فی کاملہ وابی یعلی برجال ثقات عن انسؓ مرفوعاً: الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون

(۹) الفتح الربانی بترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانیؒ جلد ۲ صفحہ ۱۱۱ باب فضل الصلوٰۃ علی النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۱۰) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للھیثمی جلد ۸ صفحہ ۲۱۱ رقم الحدیث ۱۳۸۱۲ طبعۃ مطبعۃ القدسی۔ القاھرۃ۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

وصححه البیهقیؒ۔"(۱۱)

"اور ابن عدی کی "الکامل" میں، نیز ثقہ راویوں کی سند سے ابو یعلیٰ (کی مسند) میں یہ حدیث حضرت انسؓ سے مرفوعاً آئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں اور بیہقیؒ نے اس (حدیث) کو صحیح کہا ہے"۔

امام ابن کثیرؒ زیر نظر حدیث کی تصحیح استدلالی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وجاء فی حدیث رواه أبو یعلی الموصلی فی مسنده عن أنسؓ مرفوعًا: الأنبیاء أحیاء فی قبورهم یصلون ۔"(الفصول فی اختصار سیرة الرسول لابن کثیرؒ باب مااختص به دون غیره من الأنبیاء)

"اور ایک حدیث میں آیا ہے جو کہ امام ابویعلی موصلی نے اپنی مسند میں حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں"۔

سندھ کے معروف محدث علامہ مخدوم ابوالحسن الصغیر سندھیؒ لکھتے ہیں:

"صحّ عن النبی علیه الصلوٰة والسلام مایدل علی ثبوت الحیلة للانبیاء فمنه ماخرجه ابن عدی فی کامله و ابو یعلی برجال ثقات عن انسؓ مرفوعا: الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلّون وصححه البیهقیؒ کما ذکره السمهودیؒ فی الخلاصة و أورده الارد بیلی فی شرح المصابیح ایضا۔"(۱۲)

"نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایسی صحیح احادیث مروی ہیں جو حیاتِ انبیاء پر دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک حدیث وہ ہے جو ابن عدی نے، اپنی "الکامل" میں جبکہ ابویعلیٰ نے ثقہ راویوں سے حضرت

---

(۱۱) خلاصة الوفاباخبار دار المصطفی جلد ۱ صفحه ۳۵۰.

(۱۲) انباء الانباء فی حیلة الانبیاء للمخدوم ابی الحسن السندی المدنی صفحه ۲ طبعة اکادیمیة الشاه ولی الله حیدر آباد سند.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

انسؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں،، امام بیہقیؒ نے اس کو صحیح (حدیث) قرار دیا ہے جیسا کہ سمہودیؒ نے ''الخلاصة'' میں ذکر کیا ہے۔ اور اردبیلیؒ نے بھی اپنی ''شرح المصابیح'' میں اس کو نقل کیا ہے''۔

یاد رہے کہ علامہ اردبیلیؒ (جمال الدین محمد بن عبد الغنی) متوفی ۶۴۷ھ کی ''الازهار شرح المصابيح'' نہایت مستند اور بلند پایہ کتاب ہے، عون المعبود شرح سنن ابی داود، میں تو اس شرح کے حوالے صفحے صفحے پر بکھرے پڑے ہیں، سیرت کی کتابوں کا بھی یہی حال ہے، البتہ یہ کتاب راقم کے پاس نہ ہونے کی وجہ سے راقم ''انباء الانباء'' کے حوالے پر ہی اکتفا کرتا ہے۔

شارح سیرت ابن ہشام علامہ سہیلیؒ اس حدیث کی تصحیح استدلالی فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وفی المسند من طريق أنس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الأنبياء أحياء يصلون فی قبورهم۔'' (الروض الأنف للسهيلیؒ، ۱ / ۸۹، باب هل الشهداء أحياء فی قبورهم)

''اور (امام ابویعلی کی) مسند میں حضرت انسؓ کی سند سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں، اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں''۔

برصغیر کے مشہور محدث شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''ابویعلیٰ بہ نقل ثقات از روایت انس بن مالکؓ آوردہ: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الانبياء احياء فی قبورهم يصلّون۔'' (۱۳)

''ابویعلی نے ثقہ راویوں کی سند سے حضرت انس بن مالکؓ سے حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں''۔

---

(۱۳) مدارج النبوة جلد ۲ صفحه ۴۴۷ جذب القلوب الى ديار المحبوب صلى الله عليه وسلم صفحه ۱۸ كلاهما للشيخ عبد الحق الدهلویؒ.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

علامہ ابن حجر ہیتمیؒ (ابوالعباس شہاب الدین احمد بن محمد) متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں:

"وقد جمع البیهقی جزء فی حیاة الانبیاء فی قبورهم واستدل بکثیر من الاحادیث السابقة وبالحدیث الصحیح: الانبیاء فی قبورهم یصلّون۔"(۱۴)

"امام بیہقیؒ نے قبروں میں انبیاء علیہم السلام کے زندہ ہونے پر ایک رسالہ لکھا ہے اور اس میں انہوں نے پیچھے مذکور بیشتر احادیث سے استدلال کیا ہے، اور اس صحیح حدیث سے بھی کہ "انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔"

علامہ علی بن برہان الدین حلبیؒ متوفی سنہ ۱۰۴۴ھ امام بیہقیؒ کی روایت کے حوالے سے زیرِ نظر حدیث کی صحیح استدلالی اس طرح فرماتے ہیں:

"فقد روی البیهقیؒ... عن أنسؓ أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: الأنبیاء أحیاء فی قبورهم یصلون۔" (السیرة الحلبیة ۲/ ۴۳۲، ط: دار المعرفة)

"امام بیہقیؒ نے حضرت انسؓ سے حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں"۔

نیل الاوطار کے مشہور مصنف قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

"قد ثبت فی الحدیث انّ الانبیاء احیاء فی قبورهم ....وصححه البیهقیؒ۔"(۱۵)

"حدیث سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اس (حدیث) کو امام بیہقیؒ نے صحیح قرار دیا ہے۔"

سبل السلام شرح بلوغ المرام اور توضیح الافکار لمعانی تنقیح

---

(۱۴) الدر المنضود فی الصلوٰة و السلام علی صاحب المقام المحمود للهیتمیؒ صفحه ۹۵ طبعة دار الکتب العلمیة، بیروت.

(۱۵) نیل الاوطار للشوکانی جلد ۳ صفحه ۲۶۴ وعون المعبود شرح سنن ابی داود جلد ۳ صفحه ۲۶۱.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

الانظار وغیرہ مشہور عالم کتابوں کے مصنف" علامہ امیر صنعانیؒ (ابوابراہیم محمد بن اسماعیل متوفی ۱۱۸۲ھ) ایک جگہ لکھتے ہیں:

"ثبت فی الاخبار بانهم يصلون فی قبورهم فاخرج ابو يعلى والبيهقیؒ عن انسؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الانبياء احياء فی قبورهم يصلّون۔"(۱۶)

"احادیث سے ثابت ہے کہ یہ حضرات (انبیاء علیہم السلام) اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں، چنانچہ ابویعلیٰ اور بیہقیؒ نے حضرت انسؓ سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔"

یادرہے کہ مذکورہ عبارت میں جو "ثابت" کا لفظ استعمال ہوا ہے یہ یہاں "صحیح" کے معنی میں ہے۔

"والمجوّد و الثابت يشملان ايضا الصحيح۔"(۱۷)

"مجود" اور "ثابت" کے الفاظ "صحیح" کو شامل ہیں"۔

محدث مناویؒ فیض القدیر میں لکھتے ہیں:

"الانبياء احياء فی قبورهم يصلون رواه ابو يعلىٰ عن انس بن مالکؓ وهو حديث صحيح۔"(۱۸)

"انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں" یہ حدیث ابویعلیٰ نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے اور یہ حدیث صحیح ہے"۔

اور "التیسیر" میں موصوف فرماتے ہیں:

"الانبياء احياء فی قبورهم يصلون عن انسؓ قال السمهودیؒ رجاله ثقات وصححه البيهقی۔"(۱۹)

---

(۱۶) جمع الشتيت فی شرح ابيات الثبيت للصنعانی صفحه ۱۵۸.

(۱۷) تدريب الراوی جلد ۱ صفحه ۱۰۵.

(۱۸) فيض القدير شرح الجامع الصغير جلد ۳ صفحه ۱۸۴.

(۱۹) التيسير بشرح الجامع الصغير للمناویؒ ايضاً جلد ۱ صفحه ۸۶۷ طبعة مكتبة الامام الشافعیؒ. الرّياض۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

''انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں''۔ یہ حدیث مسند ابو یعلیٰ میں حضرت انسؓ سے روایت کی گئی ہے، سمہودیؒ نے کہا کہ اس کے سارے راوی ثقہ ہیں، اور بیہقیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔''

اس میں علامہ مناویؒ مسند ابو یعلیٰ میں مذکور حدیثِ بالا کی سند کے رجال کی توثیق میں علامہ سمہودیؒ سے اور سند کی تصحیح میں امام بیہقیؒ سے اتفاق کر رہے ہیں۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔

''کنوز السنة النبویة،، میں ہے:

''قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلّون .صحیح رواه ابو یعلی۔،،(۲۰)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے اس کو ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے''۔

علامہ نجم الدین (محمد بن محمد) غزی متوفی سنہ ۱۰۶۱ھ اس حدیث کی تصحیح استدلالی ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''انه حی فی قبره وان زیارته فی قبره کزیارته قبل مماته وهذه مسئلة لایشک فیها احدمن اهل البصائر.....وروی ابونعیم والبیهقی عن انسؓ ان النبی صلی الله علیه وسلم قال :الانبیاء احیاء فی قبورهم'' (حسن التنبه للعلامه الغزّیؒ جلد ا صفحه ۳۷۰ ط:دارالنوادر.بیروت)

''یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے پر حاضری دینا وفات سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضری دینے کی طرح ہے۔ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ کسی اہلِ بصیرت کو اس میں شک نہیں.... امام ابونعیمؒ اور امام بیہقیؒ نے حضرت انسؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں''۔

اپنے علاوہ کسی کی تصحیح حدیث پر اعتماد نہ کر کے میدانِ حدیث کو بطور ''وادی تیہ،،

---

(۲۰) کنوز السنة النبویة. لبارع عرفان توفیق جلد ا صفحه ۱۲۹ رقم ۲۲۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

لینے والے مشہور نجدی عالم شیخ ناصر الدین البانی لکھتے ہیں:

''ثبت عنه صلی الله علیه وسلم انّه قال: الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلوّن اخرجه ابو یعلی با سناد جید۔'' (۲۱)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں، ابو یعلیٰ نے یہ حدیث سند جید کے ساتھ روایت کی ہے۔''

تصحیح حدیث میں وہمی کی حد تک متشدد یہ شیخ ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

''الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلّون. صحیح (ع) عن انسؓ۔'' (۲۲)

''انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں،، یہ (حدیث) صحیح ہے مسند ابو یعلی میں ہے حضرت انسؓ کی روایت ہے۔''

ایک جگہ لکھتے ہیں:

''ومن طریق ابی یعلی اخرجه البیهقی قال: اخبرنا الثقة من اهل العلم قال انبأ ابو عمرو بن حمدان قال انبأ ابو یعلی الموصلی. قلت: وهذا اسناد جید رجاله کلهم ثقات۔'' (۲۳)

''ابو یعلیٰ کی سند سے امام بیہقیؒ نے اس (الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلّون) کو روایت کیا چنانچہ فرمایا: ہمیں ثقہ اہل علم (محدث) نے حدیث سنائی، فرمایا: ابو عمرو بن حمدان نے یہ حدیث بیان کی، فرمایا ابو یعلیٰ موصلی نے یہ حدیث سنائی (آگے مسند ابو یعلیٰ کی سند سے حدیث مذکور روایت کی)..... میں (البانی) کہتا ہوں کہ یہ سند جید ہے اور اس کے سارے ہی راوی ثقہ ہیں۔''

---

(۲۱) احکام الجنائز للالبانی صفحہ ۲۱۳

(۲۲) صحیح الجامع. للشیخ الالبانی رقم الحدیث ۲۷۹۰۔

(۲۳) سلسلة الاحادیث الصحیحة جلد ۲ صفحہ ۱۸۹۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اور جید کا لفظ صحیح کے معنی میں ہونا پہلے گزر چکا ہے خود شیخ البانی ایک جگہ پر فرماتے ہیں:

''الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلّون .وهو حدیث صحیح کما تبیّن لی بعد ان وقفت علی متابع له.....فکتبت بحثاحققت فیه صحة الحدیث۔''(۲۴)

''انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں،، یہ صحیح حدیث ہے جیسا کہ اس کی ایک متابع (سند) ملنے کے بعد میرے سامنے یہ آشکارا ہوگیا،، (آگے لکھتے ہیں) چنانچہ میں نے اس حدیث کے بارے میں ایک بحث تحریر کی، جس میں اس حدیث کا صحیح ہونا ثابت کیا۔''(۲۵)

---

(۲۴) سلسلة الاحادیث الضعیفة جلد ۱ صفحه ۳۶۶ تحت رقم الحدیث ۲۰۲.

(۲۵) بندہ نے یہاں شیخ البانی کی عبارت کا ضروری حصہ نقل کیا ہے متروکہ حصہ میں شیخ کی تعلیاں ہیں۔ شیخ کی عبارت کا متروکہ حصہ ملاحظہ فرمائیں:

''قال البیهقیؒ: انه تفرد به فکتبت فیه صحة الحدیث وان التفرد المشار الیه غیر صحیح.'' (سلسلة الاحادیث الضعیفة جلد ۱ صفحه ۳۶۶)

''بیہقیؒ نے فرمایا کہ راوی (حسن بن قتیبہ) اس روایت میں متفرد ہیں تو میں نے ایک مضمون لکھا جسمیں اس حدیث کی صحت تحقیق سے ثابت کی نیز یہ بھی ثابت کیا کہ بیہقیؒ نے جس تفرد کی طرف اشارہ کیا ہے وہ درست نہیں''۔

اس میں تفرد کے دعوے کی نسبت امام بیہقیؒ کی طرف کی گئی، جبکہ امام بیہقیؒ نے اس کو صیغہ مجہول کے ساتھ ذکر کیا ہے جیسا کہ آگے آئے گا جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض محدثین نے اس میں تفرد راوی (حسن بن قتیبہ) کا اعتراض کیا ہے اور اس کے بعد خود بیہقیؒ نے ہی دفع تفرد کیلئے ابو یعلی کی روایت صحیحہ پیش کردی (جزء حیاة الانبیاء رقم ۱ و رقم ۲) تو بیہقیؒ نے تو دفع تفرد کیا ہے نہ کہ دعوائے تفرد۔

بالخصوص پچھلے حوالوں میں متفقہ طور پر امام بیہقیؒ کی طرف اس روایت کی تصحیح ذکر کی گئی ہے پھر ان کی طرف تفرد کی نسبت؟ 'چہ دلاورست دزدے کہ بکف چراغ دارد'۔ اس کے بعد شیخ کا یہ کہنا کہ بیہقیؒ کے تفرد کے قول کے خلاف مجھے متابع سند ملی یہ بیہقیؒ کا علم چرانے کے مترادف ہے۔۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مشہور محدث وسیرت نگار امام زرقانیؒ شرح موطا میں فرماتے ہیں:

جمع البیھقیؒ کتابا لطیفاً فی حیاۃ الانبیاء وروی فیه باسناد صحیح عن انسؓ مرفوعاً الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلّون۔"(۲۶)

"امام بیہقیؒ نے حیاۃ الانبیاء پر ایک کتابچہ لکھا ہے اور اس میں سندِ صحیح کے ساتھ حضرت انسؓ سے مرفوعاً یہ حدیث روایت کی کہ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلّون (انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔"

مسند ابو یعلیٰ کے مشہور محقق شیخ حسین سلیم اسد اس حدیث کے بارے میں حاشیہ میں لکھتے ہیں:

"اسنادہ صحیح۔"(۲۷)

"اس (حدیث) کی سند صحیح ہے۔"

تحقیق وتخریج کتبِ حدیث ورجالِ حدیث کے فلک پر روشن ستارہ بن کر ابھرنے والے عظیم محقق شیخ شعیب ارنؤوط لکھتے ہیں:

حدیث: "الانبیاء احیاء فی قبورھم" صحیح بطرقه اخرجه ابویعلی الموصلی فی مسندہ الورقه ۱۶۸ وابو نعیم فی تاریخ اصبھان ۲، ۸۳ والبزار فی مسندہ ۲۵۶ والبیھقیؒ فی حیاۃ الانبیاء من حدیث انس بن مالک۔"(۲۸)

---

(۲۶) شرح الزرقانی علی الموطا جلد ۴ صفحہ ۴۴۷۔

(۲۷) الحاشیہ ۱ علی مسند ابی یعلیٰ جلد ۶ صفحہ ۱۴۷ رقم ۳۴۲۵۔

(۲۸) الحاشیہ ۱ علی سیر اعلام النبلاء جلد ۹ صفحہ ۱۶۱ طبعۃ مؤسسۃ الرسالۃ۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

"الانبیاء احیاء فی قبورھم،، یہ حدیث اپنی (مختلف) اسانید کے ساتھ صحیح ہے اس کی تخریج ابو یعلی موصلیؒ نے اپنی مسند (قلمی نسخے کے) صفحہ ۱۶۸ میں ابو نعیم نے تاریخ اصفھان ۲ : ۸۳ میں اسی طرح بزارؒ نے اپنی مسند (قلمی نسخے کے) صفحہ ۲۵۶ میں نیز بیہقیؒ نے حیاۃ الانبیاء میں حضرت انسؓ کی روایت سے کی ہے"۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بخاری شریف کی شہرۂ آفاق شرح "فتح الباری،، کی جلد ۶ کے صفحہ ۵۹۵ پر رقم الحدیث : ۳۴۴۱ کے تحت اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے:

"وصححه البیهقی"۔ (یعنی: بیہقی نے اس کو صحیح حدیث کہا ہے)۔

جب کہ اس سے پہلے جلد مذکور کے صفحہ ۵۹۴ پر اس کی سند کے رجال کی مفصل توثیق ذکر کی ا (اسکو ہم آگے مفصل ذکر کرینگے) اس سے خود حافظ الدنیا امام ابن حجرؒ کے نزدیک بھی اس حدیث کا صحیح ہونا واضح ہو جاتا ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں:

"ووافقه الحافظ فی المجلد السادس"۔(۲۹)

"حافظ (ابن حجرؒ) نے (فتح الباری کی) جلد ششم میں (اس حدیث کو صحیح قرار دینے میں) ان (امام بیہقیؒ) سے اتفاق کیا ہے"۔

اور اس عبارت میں خود امام کشمیریؒ کا حافظ ابن حجرؒ سے اس حدیث کی تصحیح (صحیح قرار دینے) میں اتفاق کرنا عیاں ہے۔

علامہ، امام، حافظ انور شاہ کشمیریؒ کے تلامذہ میں نمایاں مقام کے حامل، علوم

---

(۲۹) فیض الباری جلد ۲ صفحہ ۶۴۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کشمیریؒ کے امین، محبّ العلم ومحبوب العلماء، شارحِ سنن ترمذی، عظیم فقیہ ومحدث، اسلامی جامعات کی دنیا میں آفتابِ نیم روز بن کر ابھرنے والا عظیم اور مشہورِ عالم ادارہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ (علامہ بنوری ٹاؤن) کے بانی علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں:

حياة لرسل فی القبور حقيقة
وجاء به نص الحديث المجود
رواه امام بيهقی مصححاً
وذاک دليل جاء فيه لمرتد (۳۰)

''قبروں میں پیغمبروں کی حیات (زندہ ہونا) حقیقت ہے۔ اور اس پر جید حدیث کی نص آئی ہے۔ اس (حدیث) کو امام بیہقیؒ نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ سو اس (حیات الانبیاء کے) بارے میں یہ عظیم دلیل ہر (غفلت اور جہالت کی) چادر تان رکھنے والے کے لئے ہے۔''

علامہ بنوریؒ کے تلمیذ و داماد، حیات مستعار کے ایک ایک لمحے سے متمتع ہونے کے خوگر، ہمارے محبوب استاد و مربی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مدیر ثالث ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ اپنے شیخ کے اشعارِ مذکورہ پر حاشیہ قائم کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''المجوّدُ من جوّد الشيئ: حسنه وجعله جيدًا و المراد به الحديث الصحيح۔'' (۳۱)

''شعر میں مذکور'' المجود'' کا لفظ: جوّد الشیء بمعنی: ''شے کو اچھا اور عمدہ (جید) کیا'' سے ہے اور یہاں (حدیث مجود سے) حدیث صحیح مراد ہے''۔

---

(۳۰) القصائد البنورية صفحه ۹۳ طبعة مجلس الدعوة والتحقيق الاسلامی. کراچی۔

(۳۱) الحاشية ۲ علی القصائد البنورية صفحه ۹۳.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ائمۂ حدیث کی طرف سے سندِ مذکور کے ایک ایک راوی کی توثیق

سیرت شامیہ کے مصنف علامہ صالحی شامیؒ (محمد بن یوسف) متوفی ۹۴۲ھ ابو یعلی کی سند کے تمام راویوں کی مفصل توثیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''قال الحافظ فی التقريب: ابو الجهم الازرق صدوق يغرب ويحيى بن ابی بكير من رجال البخاری والمستلم بن سعيد قال الامام احمد: شيخ ثقة وقال النسائی: لا بأس به وذكره ابن حبان فی الثقات وقال الحافظ : صدوق عابد ربما وهم وشيخه الحجاج قال الحافظ عبد الغنی بن سعيد فی ايضاح الاشكال: هو حجاج بن حجاج وهو حجاج الاسود الذی روی عنه جعفر بن سليمان ومستلم بن سعيد وهو حجاج الباهلی وهو الحجاج بن الحجاج وهو حجاج الأحول وهو حجاج زق العسل .انتهی.وحجاج هذا قال الامام احمد: ليس به بأس وقال ابن معين : ثقة وقال ابو حاتم : ثقة من الثقات صدوق وقال الحافظ: ثقة وثابت لا يسأل عنه۔''(۳۲)

''حافظ (ابن حجرؒ) نے ''التقريب'' (تقريب التهذيب) میں فرمایا: ابو

(۳۲) سبل الهدی و الرشاد فی سيرة خير العباد (المعروف با السيرة الشامية) جلد ۱۲ صفحه ۳۵۶ طبعة دار الكتب العلمية۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

الجہم الازرق، یہ نہایت سچے ہیں غریب روایات (بھی) روایت کرتے ہیں۔ یحیی بن ابی بکیر، یہ بخاری شریف کے راویوں میں سے ہیں (جو سب کے سب ثقہ ہونے کی بناء پر محتاجِ بیان نہیں) مستلم بن سعید، سو ان کے بارے میں امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ شیخ ہیں۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ ان میں کوئی قباحت کی بات نہیں۔ امام ابن حبانؒ نے ان کو "الثقات" (نامی کتاب) میں (ثقہ راویوں میں) ذکر کیا ہے۔ حافظ (ابن حجرؒ) فرماتے ہیں کہ یہ بہت سچے اور عبادت کے خوگر ہیں۔ ان (مستلم) کے شیخ (اس سند میں) حجاج ہیں۔ حافظ عبد الغنی بن سعیدؒ نے ایضاح الاشکال میں فرمایا کہ یہ حجاج بن حجاج ہیں اور یہ دراصل وہی (حجاج) ہیں جو حجاج الاسود کہلاتے ہیں۔ کہ جن سے جعفر بن سلیمان اور مستلم بن سعید روایت کرتے ہیں۔ اور یہ حجاج باہلی ہیں۔ جو کہ حجاج بن حجاج ہیں۔ اور یہ حجاج احول ہیں۔ اور یہ (بعینہ) زق العسل (شہد کا مٹکا) کہلانے والے حجاج ہیں۔ (عبد الغنی بن سعید کا کلام) ختم ہوا۔ اس حجاج کے بارے میں امام احمدؒ فرماتے ہیں: اس میں قباحت کی کوئی بات نہیں۔ ابن معین فرماتے ہیں: یہ ثقہ ہیں۔ ابو حاتمؒ فرماتے ہیں: یہ ثقہ لوگوں میں سے ایک ثقہ ہیں۔ بہت سچے ہیں۔ حافظ (ابن حجرؒ) فرماتے ہیں: یہ ثقہ ہیں۔ معتبر راوی ہیں ان کے بارے میں پوچھنے کی ضرورت نہیں۔"

علامہ صالحیؒ نے اس میں حجاج نامی راوی کو حجاج باہلی الاحول قرار دیکر حافظ عبد الغنی بن سعیدؒ کے حوالے سے فرمایا کہ یہ وہی حجاج ہیں جو کبھی حجاج الاسود بھی کہلاتے ہیں، اور آگے حجاج باہلی کے بارے میں علمائے امت کے الفاظِ توثیق نقل کر دیئے۔ لیکن جمہور محدثین حجاج باہلی الاحول اور حجاج الاسود کو دو الگ راوی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ امام

Telegram : t.me/pasbanehaq1

عبدالرحمٰن بن ابی حاتم نے اپنی "الجرح والتعدیل" میں، ابن حبانؒ نے اپنی "الثقات" میں، امام ذہبیؒ نے "سیر اعلام النبلاء" میں، اور ابن حجرؒ نے "لسان المیزان" وغیرہ میں دونوں کو الگ الگ راوی قرار دیا ہے۔ امام جمال الدین یوسف مزیؒ متوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں:

"وذکر غیر واحد ان حجاج بن حجاج الباهلی الاحول غیر حجاج الاسود القسملی فممن فرق بینهما عبد الرحمن بن ابی حاتم۔" (۳۳)

"متعدد حضرات نے ذکر کیا ہے کہ حجاج بن حجاج باہلی الاحول یہ حجاج الاسود قسملی کے علاوہ (ایک دوسرے راوی) ہیں۔ چنانچہ ان دونوں کو الگ راوی قرار دینے والوں میں سے عبدالرحمٰن بن ابی حاتم بھی ہیں"۔

یاد رہے کہ یہ دونوں ہی راوی ثقہ ہیں۔ دونوں بصرہ کے تھے اور ہم عصر تھے بعض تلامذہ (مثلاً جعفر بن سلیمان) دونوں حجاج کے شاگرد رہے۔ نام میں تو اشتراک تھا ہی۔ ان اسباب کی بناء پر بعض حضرات کو دونوں حجاج کے ایک ہونے کا مغالطہ ہوا۔

رہی یہ بات کہ ابو یعلی کی زیر بحث سند میں مذکور "حجاج" سے کون سے حجاج مراد ہیں؟ سو مسند بزار کی سند میں "حجاج" کے ساتھ "الصواف" کا لفظ آیا ہے۔ (جیسا کہ آگے ذکر کیا جائے گا) ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس (الصواف کے لفظ) کو محض وہم قرار دیا۔

حافظ ابن عدیؒ کی سند میں "حجاج بن الاسود" آیا ہے (اسکا ذکر بھی آنے والا ہے) جبکہ کتب تراجم رواۃ و رجال حدیث میں اس ولدیت کے ساتھ کسی حجاج کا ذکر نہیں ملتا اس لیے امام ذہبیؒ نے شروع میں تو اس راوی کو پہچاننے سے ہی انکار کر دیا تھا اور فرمادیا:

"نکرة ماروی عنه فیما اعلم سوی مستلم بن سعید۔"

---

(۳۳) تہذیب الکمال جلد ۲ صفحہ ۶۰ ترجمہ ۱۱۰۱ تحقیق بشار (المطبوع فی ثمان مجلدات)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

''یہ نامعلوم راوی ہیں جہاں تک مجھے معلوم ہے مسلم بن سعید کے علاوہ کسی نے ان سے روایت نہیں کی''۔

اوراس خشت کج (ٹیڑھی اینٹ) پر بنیاد قائم کر کے اس (الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون کی) حدیث کو ہی منکر قرار دے دیا، چنانچہ آگے فرمایا:

''فاتی بخبر منکر عن انس فی ان الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون رواه البیهقی۔''(۳۴)

''سواس (حجاج بن اسود) نے حضرت انسؓ سے ایک منکر روایت نقل کردی کہ ''الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون'' اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے۔''

پھر جب امام ذہبیؒ نے مستدرک حاکم پر تحقیقی کام شروع کیا تو آپ پر آشکارا ہوا کہ یہ کوئی اور نہیں حجاج اسود ہی ہیں۔ چنانچہ حاکم کی ''المستدرک علی الصحیحین'' کی کتاب الرقاق کی آخری حدیث (کہ جس کے بعد کتاب الفرائض شروع ہوتی ہے) کی سند میں حجاج بن الاسود کا نام آیا تو حافظ ذہبی نے اس پر یہ نوٹ تحریر فرمایا:

''قلت: حجاج ثقة۔''(۳۵)

''میں (ذہبیؒ) کہتا ہوں حجاج (جو کہ سند میں حجاج بن الاسود کے نام سے آیا ہے) ثقہ ہے''۔

شیخ ناصر الدین البانی لکھتے ہیں:

''ان حجاجا هذا ثقه بلاخلاف وان الذهبیؒ تو هم انه غیره فلم یعرفه ولذالک استنکر حدیثه ویبد و انه عرفه فیما بعد فقدا خرج له الحاکم فی المستدرک

(۳۴)میزان الاعتدال للذهبی جلد ۱ صفحه ۴۶۰ رقم الترجمة:۱۷۲۷ طبعة دار المعرفة بیروت.

(۳۵)تلخیص المستدرک علی الصحیحین للذهبی بهامش المستدرک للحاکم جلد ۴ صفحه ۳۳۲

Telegram : t.me/pasbanehaq1

(۴: ۳۳۲) حديثا آخر....فقال الذهبیؒ فی تلخيصه:

قلت حجاج ثقة وكانه لذالک لم يورده فی كتابه الضعفاء ولا فی ذيله۔"(۳۶)

"یقیناً یہ حجاج (الاسود) ثقہ ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ مگر ذہبیؒ کو وہم ہوا کہ یہ (حجاج بن الاسود) اس (حجاج الاسود) کے علاوہ کوئی اور ہیں تو ان کو پہچان نہ سکے۔ اس لئے ان کی حدیث کو منکر کہہ دیا مگر لگتا یہ ہے کہ وہ (ذہبیؒ) بعد میں ان کو پہچان گئے تھے۔ چنانچہ حاکم نے مستدرک ۴: ۳۳۲ میں اس (حجاج بن الاسود) کی ایک اور روایت نقل کی تو ذہبیؒ نے اپنی "تلخیص" میں فرمایا: "میں کہتا ہوں حجاج ثقہ ہیں"۔ شاید یہی وجہ ہے کہ انہوں نے (امام ذہبیؒ نے) ان (حجاج بن الاسود) کو اپنی "کتاب الضعفاء" میں نہیں لایا نہ ہی اس کی "ذیل" میں"۔

مسند ابو یعلی کے محقق شیخ حسین سلیم اسد امام ذہبیؒ کی "میزان الاعتدال" کی عبارت مذکورہ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"ولكن تعقبه الحافظ ابن حجرؒ فی "اللسان" فقال: وانما هو حجاج بن ابی زياد الاسود يعرف بزق العسل....قال احمدؒ: ثقة ورجل صالح وقال ابن معين ؒ: ثقة وقال ابو حاتم: صالح الحديث وذكره ابن حبان فی الثقات۔"(۳۷)

مگر حافظ ابن حجرؒ نے اپنی "اللسان" میں ان (ذہبیؒ) پر رد کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تو حجاج بن ابی زیاد الاسود (نامی راوی) ہیں جو "زق العسل" یعنی شہد کے مٹکے سے مشہور ہیں (آگے فرمایا) امام احمدؒ نے

(۳۶) سلسلة الاحاديث الصحيحة جلد ۲ صفحه ۱۸۸.

(۳۷) الحاشيه ۱ علی مسند ابی يعلی جلد ۶ صفحه ۴۷.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

فرمایا کہ یہ ثقہ ہیں نیک آدمی ہیں۔ ابن معینؒ نے فرمایا کہ یہ ثقہ راوی ہیں۔ ابو حاتمؒ نے فرمایا: روایت حدیث میں مناسب (آدمی) ہیں اور ابن حبانؒ نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔"

حافظ ابن حجرؒ نے اپنے پسندیدہ ترین استاد، امام ذہبیؒ کی "میزان الاعتدال" پر نہایت اعلیٰ اور شاندار تحقیقی کام کیے۔ پہلے دو ہزار کے قریب مزید ضعیف رُوات پر مشتمل "ذیل میزان الاعتدال" لکھی۔ پھر اس کتاب میں رُوات کے بارے میں بلا حوالہ مذکور اقوال محدثین کے حوالوں کا مجموعہ "تقویم اللسان" کے نام سے تحریر کیا پھر اس میں پائے جانے والے اوہام کی اصلاح پر مشتمل "تحریر المیزان" تصنیف کی اور آخر میں سب کو یکجا کر کے "لسان المیزان" کا تحقیقی مجموعہ ترتیب دیا۔ اس سے واضح ہے کہ امام ذہبیؒ کی میزان الاعتدال کو انکی دیگر وقیع و متین تصانیف کے ہمرنگ و ہمرتبہ کرنے کیلئے حافظ ابن حجرؒ کی یہ ساری کاوشیں تھیں کہ اوائل تصانیف میں سے ہونے کی وجہ سے اس میں بہت سے پہلو تشنہ رہ گئے تھے اور کلام کرنے کے اسمیں مواقع بہت چھوڑے گئے تھے کہ شاید ذہبیؒ کی کسی دوسری کتاب میں اتنے مواقع نہیں چھوڑے گئے۔ اس لیے کسی بات میں میزان الاعتدال واحد حوالہ ہونے کی صورت میں لسان المیزان کی تائید و توثیق کے بغیر اسے بیان کرنا یا لسان المیزان میں تردید ملاحظہ کرنے کے باوجود "میزان" کے حوالے سے مغالطہ دینا علمی خیانت ہے۔ جو کسی صاحب علم و دیانت کے شایان شان نہیں۔ بلکہ دلائل کی دنیا میں احساس تنہائی و بے کسی پر مبنی سقم مدعا کا بین ثبوت ہے۔

بہر حال "میزان الاعتدال" کی عبارت سابقہ پر مذکورہ تردیدی کلام حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیزان جلد ۲ صفحہ ۱۷۵ میں کیا ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابن عدیؒ کی روایت (جو میزان الاعتدال کی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

تصنیف میں امام ذہبی کے پیش نظر رہی ہے) میں مذکور حجاج بن الاسود سے حجاج الاسود مراد ہونے پر ابن حجرؒ کے پاس کیا دلیل تھی؟ سو حافظ ابن حجرؒ نے اس بارے میں بیہقیؒ کی روایت کا حوالہ دیا۔ (۳۸)

اور فتح الباری میں بیہقیؒ کی سند ذکر کرتے ہوئے فرمایا.... عن الحجاج الاسود... (۳۹)

اور بزار کی سند میں مذکور حجاج الصواف پر وہم کا حکم لگانے کے بعد فرمایا:

"و الصواب الحجاج الاسود كما وقع التصريح به فی رواية البيهقیؒ۔" (۴۰)

"صحیح (نام) حجاج الاسود ہے جیسا کہ بیہقی کی روایت میں اس کی تصریح آئی ہے۔"

حافظ ابن حجرؒ کے پیش نظر "حياة الانبياء فی قبورهم" للبیہقیؒ کا جو نسخہ تھا، اسمیں اسی طرح (حجاج الاسود) تھا۔ اس رسالے کے مطبوعہ نسخوں میں ابن عدیؒ کی روایت کی طرح حجاج بن اسود ہی آیا ہے۔ ممکن ہے اسمیں نسخوں کے فرق کا دخل ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ناشرین عصر کے ارزاں صفت محققین کی نظر قاصر کا اثر ہو۔

راقم الحروف کی نظر میں اس سلسلے میں سب سے واضح ثبوت امام دارقطنیؒ (ابو الحسن علی بن عمر) متوفی ۳۸۵ھ کی روایت ہے۔ اس میں زیر بحث حدیث کی سند میں مذکور مستلم بن سعید کے شیخ اور ثابت بنانیؒ سے روایت کرنے والے ان کے شاگرد کا نام صراحتاً "حجاج الاسود" آیا ہے چنانچہ امام دارقطنیؒ کی "الغرائب والافراد" کی فہرست و

---

(۳۸) لسان المیزان جلد ۲ صفحہ ۱۷۵۔

(۳۹) فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۵۹۵ رقم الحدیث ۳۴۴۱۔

(۴۰) فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۵۹۵۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ترتیب پر مشتمل "اطراف الغرائب والافراد" میں ہے:

"حجاج الاسود عن ثابت۔ حديث: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الانبياء احياء فی قبورهم يصلون. الحديث. تفرد به المستلم بن سعيد عن حجاج الاسر عن ثابت۔"(۴۱)

"حجاج الاسود کی روایت ثابت سے۔ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں۔ مستلم بن سعید، یہ حجاج الاسود کے واسطے سے یہ حدیث ثابت سے روایت کرنے میں متفرد ہیں۔"

حجاج الاسود نامی اس راوی پر چونکہ زیر بحث حدیث کی اسانید میں اوہام کثیرہ کی گرد پڑی ہوئی تھی، جسے صاف کئے بغیر اس حدیث کی صحت بے غبار نہیں ہو رہی تھی با لخصوص جبلہ امام ذہبیؒ کی "میزان" کو بے "لسان" کر کے اس حدیث کے منکر ہونے کی شہادت دینے کیلئے اسٹیج پر لانے کا فعل منکر سرانجام دیا جا رہا تھا۔ اس لئے یہاں پر مفصل وضاحت ناگزیر تھی جو الحمدللہ کر دی گئی۔ البتہ بعض روایات میں "حجاج بن الاسود" کے الفاظ آنے کی وجہ ہم آگے ذکر کریں گے۔

حافظ ابن حجرؒ مسند ابو یعلی کی اس سند کے پہلے راوی کو چھوڑ کر باقی راویوں پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وقد جمع البيهقیؒ كتاباً لطيفاً فی حياة الانبياء فی قبورهم اورد فيه حديث انس: الانبياء احياء فی

---

(۴۱) اطراف الغرائب و الافراد لا بن طاهر المقدسی جلد ۲ صفحه ۳۲. ۳۱ طبعة دار الكتب العلمية.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

قبورهم يصلون. اخرجه من طريق يحيٰى بن ابی كثير (۴۲) وهو منرجال الصحيح عن المستلم بن سعيد وقد وثقه احمد و ابن حبان عن الحجاج الاسود وهو ابن ابی زياد البصری وقد وثقه احمد و ابن معين عن ثابت عنه و اخرجه ايضاً ابو يعلی فی مسنده من هذاالوجه و اخرجه البزار لكن وقع عنده:عن حجاج الصواف وهو وهم ....وصححه البيهقی۔"(۴۳)

"انبیاء علیہم السلام کے اپنی قبروں میں زندہ ہونے پر بیہقیؒ نے ایک کتابچہ تالیف کیا ہے، اسمیں انہوں نے حضرت انسؓ سے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ "انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں" یہ حدیث انہوں نے یحیٰی بن ابی کثیر (بن ابی بکیر جیسا کہ حاشیۂ سابقہ میں گزرا) کی سند سے روایت کی ہے جو کہ صحیح (بخاری) کے راوی ہیں اور انہوں نے مستلم بن سعید سے، کہ جن کو امام احمدؒ اور ابن حبانؒ نے ثقہ کہا ہے۔اور انہوں نے حجاج الاسود سے۔ یہ (حجاج) ابن ابی زیاد بصری ہیں۔امام احمدؒ

(۴۲) فتح الباری کے مطبوعہ نسخوں میں (جو بندہ کی نظر سے گزرے ہیں) اسی طرح ہے جبکہ خود حافظ ابن حجرؒ نے المطالب العالیۃ میں، بیہقیؒ نے "حیاۃ الانبیاء" میں، (جس کی سند پر یہاں حافظؒ کلام کررہے ہیں) اور اصل مرجع مسند ابویعلی میں بھی یحیٰی بن ابی بکیر ہے۔ جیسا کہ ان سب کی اسانید سے ظاہر ہے جو پہلے نقل کی جا چکی ہیں۔دونوں یحیٰی (یعنی ابن ابی بکیر اور ابن ابی کثیر) صحیحین کے راوی ہیں۔ ان دونوں کی ولدیت میں متعدد کتابوں میں اس طرح کی تصحیف ہوئی ہے۔ خلاصۃ الخزرجی کے صفحہ ۲۵ پر اسی طرح یحیٰی بن ابی کثیر (ازرق بن علی کے شیوخ میں) ذکر کیا گیا ہے۔ جبکہ یہ یحیٰی بن ابی بکیر ہیں چنانچہ حافظ علی صنعانی نے حاشیہ میں اس پر تعجبیہ کردی ہے۔ معجم ابن المقری جلد ۱ صفحہ ۳۱۳ حدیث ۱۰۱۴ میں ابن ابی بکیر کے پوتے کا نام اس طرح آیا ہے: عبداللہ بن محمد بن یحیٰی بن ابی کثیر۔ جبکہ یہ محض تصحیف ہے "بکیر" اور "کثیر" میں رسم الخط کا قرب یا محض اشتباہ کی بناء پر تسلسل سے یہ تصحیف چلی آرہی ہے۔

(۴۳) فتح الباری لابن حجر جلد ۶ صفحہ ۳۲. ۳۱ تحت رقم ۳۴۴۱ طبعة دار السلام بیروت.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اور ابن معینؒ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ اور انہوں نے ثابت سے اور انہوں نے (یعنی حضرت ثابت نے) ان (انسؓ) سے۔ اس سند سے ابو یعلیٰؒ نے بھی اپنی مسند میں یہ حدیث روایت کی ہے۔ بزار نے بھی اسکو روایت کیا ہے مگر ان کی سند میں "حجاج الصواف" آیا ہے جو کہ وہم ہے۔ (آگے فرمایا) بیہقیؒ نے اس (حدیث) کو (سند مذکور کے ساتھ) صحیح کہا ہے۔"

حافظ ابن حجرؒ کے شاگرد خاص امام سخاویؒ (شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن) متوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں:

"وقد جمع البیهقی جزء فی حیاة الانبیاء فی قبورهم و استدل بغالب ما تقدم و بحدیث انسؓ: الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون. اخرجه من طریق یحیی بن ابی بکیر وهو من رجال الصحیح عن المستلم بن سعید وقد وثقه احمد و ابن حبان عن الحجاج بن الاسود وهو ابن ابی زیاد البصری وقد وثقه احمد و ابن معین عن ثابت البنانی عنه و اخرجه ایضا ابو یعلی فی مسنده من هذا الوجه وکذا البزار ولکن وقع عنده: عن حجاج الصواف، وهو وهم والصواب حجاج بن الاسود کما صرّح البیهقی فی روایته وصححه البیهقی۔"(۴۴)

"امام بیہقیؒ نے قبروں میں انبیاء علیہم السلام کی حیات پر ایک رسالہ لکھا ہے اور (اس پر) سابق میں مذکور اکثر (احادیث) سے استدلال کیا ہے اور حضرت انسؓ کی اس حدیث سے بھی (انہوں نے استدلال کیا ہے) کہ: الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون یہ روایت انہوں نے یحیی بن ابی بکیر

(۴۴) القول البدیع فی الصلوة علی الحبیب الشفیع للسخاویؒ صفحه ۱۶۱ طبعة دار الکتب العلمیة بیروت.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کی سند سے نقل کی جو کہ صحیح (بخاری) کے راوی ہیں اور وہ (روایت کرتے ہیں) مسلم بن سعید سے کہ جن کی توثیق امام احمدؒ اور ابن حبانؒ نے کی ہے اور وہ (روایت کرتے ہیں) حجاج بن الاسود سے۔ اور یہ ابن ابی زیاد بصری ہیں۔ امام احمدؒ اور ابن معینؒ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ اور وہ (روایت کرتے ہیں) ثابت بنانی سے (جو کہ متفق علیہ ثقہ ہیں) وہ ان (حضرت انسؓ) سے۔ اس سند سے ابو یعلی نے بھی اپنی مسند میں یہ حدیث روایت کی ہے۔ نیز بزار نے (اپنی مسند میں ایک اور سند سے اس کو ذکر کیا ہے) لیکن ان (بزار) کی روایت میں 'حجاج الصواف سے' کے الفاظ ہیں اور یہ وہم ہے صحیح 'حجاج بن الاسود' ہے جیسا کہ امام بیہقیؒ نے اپنی روایت میں اس کی تصریح کی ہے اور اس (روایت) کو امام بیہقی نے صحیح کہا ہے"

علامہ سخاوی کا یہ مضمون بظاہر فتح الباری سے ماخوذ ہے۔ البتہ مراجع سے تصحیح بھی کر دی گئی ہے کہ یہ یحیی بن ابی بکیر کی روایت ہے نہ کہ یحیی بن ابی کثیر کی۔ جیسے فتح الباری میں سہواً نقل کیا گیا ہے۔ نیز بیہقیؒ نے سند میں مذکور حجاج کو "حجاج بن الاسود" ذکر کیا ہے نہ کہ حجاج الاسود، جیسا کہ فتح الباری میں آیا ہے۔ چنانچہ بیہقیؒ کے رسالہ کے مطبوعہ نسخوں میں بھی "الاسود" کی بجائے "ابن الاسود" ہی مذکور ہے۔ بہر حال، امام سخاویؒ بھی اس سند کے سارے رجال کو ثقہ اور اس روایت کو صحیح قرار دیتے ہیں۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

حدیثِ مذکور کے متن اور مضمون کی صحت محدثین کے قائم کردہ عنوانات کی روشنی میں

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے مسند ابو یعلی کی اس حدیث پر یہ عنوان قائم کیا:

''باب حياة الانبياء عليهم السلام۔''(۴۵)

''انبیاء علیہم السلام کی (قبروں میں) حیات کا بیان''۔

امام بوصیریؒ (احمد بن ابی بکر) متوفی ۸۴۰ھ اس حدیث پر عنوان لگاتے ہیں:

''الانبياء احياء فی قبو رهم۔''(۴۶)

''انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں''۔

محدث نور الدین ہیثمی (علی بن ابی بکر) متوفی ۸۰۷ھ نے یہ عنوان لگا کر حدیث مذکور نقل کی:

''باب حياة الانبياء فی قبورهم۔''(۴۷)

---

(۴۵) المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية لابن حجرؒ جلد ۱۴ صفحه ۲۲۵ طبعة دار العاصمة. السعودية۔

(۴۶) اتحاف الخيرة المهرة بز وائد المسانيد العشرة للبوصيریؒ جلد ۹ صفحه ۱۹۴ طبعة مكتبة الرشد. الرياض۔

(۴۷) المقصد العلی فی زوائد ابی يعلی الموصلی للهيثمیؒ جلد ۳ صفحه ۱۳۱ طبعة دار الكتب العلمية. بيروت۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

''انبیاء علیہم السلام کی اپنی قبروں میں حیات کا بیان''۔

مذکورہ بالا محدثین نے مسند ابویعلی کی زیر بحث حدیث کو سند کے ساتھ ذکر کرتے وقت 'باب ما جاء فی حیاة الانبیاء' یا 'باب من قال: الانبیاء احیاء فی قبورهم' یا 'ذکر من قال بحیاة الانبیاء فی قبورهم' وغیرہ تشکیک پر مشتمل عنوان نہیں لگائے کہ ''قبروں میں انبیاء علیہم السلام کی حیات پر جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں'' یا ''جو لوگ انبیاء علیہم السلام کو قبروں میں زندہ مانتے ہیں ان (کے دلائل) کا بیان''۔ بلکہ ان اکابر محدثین کی طرف سے جزم و یقین کے ساتھ ''انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں'' وغیرہ عنوان (ترجمة الباب) کے ساتھ فقہ الحدیث کا بیان اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ تمام محدثین اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں اس لئے اس کے مضمون پر بھی یقین رکھتے ہیں۔

اسی طرح حافظ ابن مندہؒ (محمد بن اسحاق ابوعبداللہ) متوفی ۳۹۵ھ نے اپنی کتاب "الفوائد" میں یہ عنوان قائم کیا:

''الانبیاء احیاء فی قبورهم''۔ (۴۸)

''انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں''۔

اور اس عنوان کے تحت حضرت موسیٰ علیہم السلام کے قبر میں نماز پڑھنے کی مشہور حدیثِ صحیح ذکر کی۔ اور ترجمۃ الباب (عنوان) بمنزلہ دعوی ہوتا ہے۔ اور اس کے تحت مذکور روایات دلیلیں ہوتی ہیں۔ یوں زیر بحث حدیث کا مضمون کہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اس کو امام ابن مندہؒ بھی صحیح تسلیم کرتے نظر آتے ہیں۔

امام ابوبکر بزار (احمد بن عمرو العتکی) متوفی ۲۹۲ھ کو چونکہ زیر بحث حدیث حسن بن قتیبہ کی سند سے ملی تو فرمایا کہ یہ روایت تو غرائب حسن بن قتیبہ مین سے ہے مگر دوسری

(۴۸) الفوائد لابن مندہؒ صفحہ ۷۴۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

''قبر میں صلوٰۃِ موسوی'' کی حدیث اس پر (صحیح سند سے) موجود ہے۔

چنانچہ لکھتے ہیں:

''وهذ الحديث لا نعلم احدًا تابع الحسن بن قتيبة على روايته عن حماد و انما يروى عن انسؓ من حديث ثابت وغيره ان النبی صل الله عليه وسلم قال رأيت موسىٰ يصلی فی قبره۔''(۴۹)

''اس حدیث کو حماد سے روایت کرنے میں حسن بن قتیبہ کا کوئی متابع ہمیں معلوم نہیں ہاں حضرت انسؓ سے بواسطہ ثابت وغیرہ حماد نے یہ روایت (اس مضمون پر) بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے حضرت موسیٰ علیہم السلام کو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔''

یوں زیر بحث حدیث کے مضمون کو امام بزارؒ نے بھی صحیح تسلیم کیا۔ اس سے محدثین کی نظر میں مسند ابو یعلی کی روایت سند اور متن دونوں لحاظ سے صحیح ہونا واضح ہو جاتا ہے۔

(۴۹) مسند البزار جلد ۱۳ صفحہ ۶۲ رقم الحدیث ۶۳۹۱۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

روایت مسند ابویعلی کے رجال پر مفصل کلام

آغازِ بحث میں یہ سند گزر چکی جو کہ اس طرح ہے:

" حدثنا أبو الجهم الأزرق بن علی حدثنا یحییٰ بن أبی بکیر حدثنا المستلم بن سعید عن الحجاج عن ثابت البنانی عن انس بن مالکؓ".

اب ہم کتبِ رجال سے اس سند کے تمام راویوں کے احوال ذکر کرتے ہیں۔

ابوالجہم الازرق بن علی:

''خلاصة تذهیب تهذیب الکمال''میں ہے:

"الأزرق بن علی بن مسلم الحنفی ابو الجهم الکوفی عن حسان الکرمانی ویحییٰ بن ابی بکیر وعنه ابوزرعة قال ابن حبان: ثقة یغرب". (۵۰)

ترجمہ:''ازرق بن علی بن مسلم حنفی، ابوالجہم (کنیت ہے) کوفی، یہ

(۵۰)خلاصة تذهیب تهذیب الکمال للحافظ صفی الدین الخزرجی متوفی ۹۲۳ھ ،ص:۲۵۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

حسان کرمانی اور یحییٰ بن ابی بکیر سے روایت کرتے ہیں اور ان سے
ابوزرعہ نے روایت کی ہے، ابن حبان نے کہا: یہ ثقہ ہیں، غریب
روایات لاتے ہیں"۔

امام ذھبیؒ اپنی "تاریخ" میں ان کے تلامذۂ حدیث میں مشہور ائمہ حدیث میں سے امام ابوزرعہ رازی، امام ابوبکر بن ابی عاصم، امام ابویعلی اور امام عبداللہ بن احمد بن حنبل کو ذکر کیا ہے۔ (۵۱) اور امام جمال الدین مزی متوفی ۷۴۲ھ نے ان (ازرق) کے بائیس تلامذۂ حدیث ذکر کئے ہیں۔ (۵۲) امام ذھبیؒ نے اپنی "تاریخ" اور "سیر" میں ان کی مجلسِ درسِ حدیث کے خوشہ چینوں میں امام مسلمؒ کے استاذِ حدیث امام صالح بن محمد جزرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ (۵۳) اور امام جزرہ کے علمی مقام ومرتبہ کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:

"الإمام الحافظ الكبير الحجة محدث المشرق".. (۵۴)

ترجمہ: "امام، حافظ کبیر، حجۃ، محدثِ مشرق"۔

اتنے بڑے بڑے ائمہ حدیث کا ازرق کی "مجلس درس واملائے حدیث" میں کھنچے چلے آنا اور بعد میں ان سے روایت کرنا اس بات کا بیّن شاہدِ عدل ہے کہ ثقاہت ودیانت، حفظ واتقان اور ضبطِ حدیث میں ازرق کو نمایاں مقام حاصل تھا۔ امام ذھبیؒ جیسے

---

(۵۱) تاریخ الاسلام للذهبي جلد: ۵، صفحه: ۵۲۹، الطبقة الثالثة والعشرون رقم الترجمة: ۵۳، منها۔

(۵۲) تهذيب الكمال للحافظ المزي، جلد: ۱، صفحه: ۱۶۳، رقم الترجمة: ۲۹۵.

(۵۳) تاريخ الإسلام للذهبي، جلد: ۶، صفحه: ۹۵۳، الطبقة الثلاثون، رقم الترجمة: ۲۲۷، منها وسير اعلام النبلاء للذهبي، جلد: ۱۴، صفحه: ۲۴۔

(۵۴) سير اعلام النبلاء، جلد: ۱۴، صفحه: ۲۴۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مردم شناس نے شاید اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا:

"کوفی مشهور". (۵۵)

ترجمہ: "کوفہ کے رہنے والے مشہور (محدث) ہیں"۔

اسانید حدیث پر گہری نظر رکھنے والے علامہ ہیثمیؒ ازرق کو ثقہ وصحیح الحدیث قرار دیتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

"رواه الطبرانی فی الکبیر والاوسط رجالهما رجال الصحیح غیر الازرق بن علی وحسان بن ابراهیم وکلاهما ثقة". (۵۶)

ترجمہ: "اس (حدیث) کو طبرانی نے کبیر واوسط میں روایت کیا ہے، دونوں سندوں کے رجال صحیح (بخاری) کے رجال ہیں، سوائے ازرق بن علی اور حسان بن ابراہیم کے اور یہ دونوں ثقہ ہیں"۔

علامہ بوصیریؒ ازرق کی توثیق کرتے ہوئے ازرق کے طریق سے ایک سند کے بارے میں فرماتے ہیں: "هذا اسناد رجاله ثقات"، (۵۷)

اس سند کے سارے رجال ثقہ ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

---

(۵۵) تاریخ الاسلام جلد: ۵، صفحہ: ۵۲۹، ترجمة الازرق۔

(۵۶) مجمع الزوائد، جلد: ۱۰، صفحہ: ۲۸۲، رقم الحدیث: ۱۸۳۰، باب ماجاء فی الحکمة والمروة۔

(۵۷) اتحاف الخیرة المهرة، جلد: ۴، ص: ۴۶۷، رقم الحدیث: ۳۹۴۶، باب ماجاء فی النفث فی الرقیة۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

"وأخرج له الحاكم فی المستدرک"(۵۸)

ترجمہ: "ان (ازرق) سے حاکم نے مستدرک میں حدیث روایت کی ہے"۔

اور حاکم کی "مستدرک" میں صحیحین پر استدراکات ہونے کی بناء پر اس میں صحت کا التزام کیا گیا ہے، جس سے حاکم کی طرف سے ازرق کی توثیق واضح ہے اور "تلخیص المستدرک" میں امام ذھبیؒ نے بھی ازرق پر کوئی کلام نہیں کیا ہے۔(۵۹)

یوں امام ذہبیؒ نے گویا ازرق کی توثیق پر حاکم سے اتفاق کیا۔

اور علامہ زین الدین عراقی (عبدالرحیم بن الحسین) متوفی ۸۰۶ھ ازرق کو ثقہ وصحیح الحدیث قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قال ابن حبان فی الثقات: يغرب واحتج به فی صحيحه"(۶۰)

ترجمہ: "ابن حبان نے "الثقات" میں کہا: یہ (ازرق) غریب حدیثیں بیان کرتے ہیں اور انہوں نے (ابن حبان نے) ان (کی حدیث) کو حجت مانا ہے"۔(۶۱)

---

(۵۸) تهذيب التهذيب، جلد: ۱، ص: ۱۷۵، ترجمة الازرق، رقم الترجمة: ۳۷۶، طبع: عبد التواب اکادمی، ملتان۔

(۵۹) دیکھئے: المستدرک علی الصحيحين للحاکم باب مناقب علیؓ برقم الحديث، ۴۵۷۷۔

(۶۰) ذيل الميزان للعراقی، جلد: ۱، ص: ۴۶۰، رقم الترجمة: ۱۶۲، طبع: دار الکتب العلمية۔

(۶۱) ائمہ حدیث کی ان تمام تصریحات میں ازرق بن علی کو سب نے "ثقہ" تسلیم کیا ہے جو کہ اعلیٰ درجہ کی توثیق ہے (دیکھئے: مقدمہ ابن صلاح، تقریب النواویؒ، وغیرہ) پھر "تقریب التهذيب" میں ان کے لئے مراتب تعدیل میں مرتبہ ثانیہ کا لفظ "صدوق" استعمال کیا جانا کسی طرح درست نہیں، بلکہ بے دلیل ان کا مرتبہ (جاری ہے)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ابن حبانؒ کا مقصد ''یغرب'' سے صرف یہ بتانا ہے کہ ازرق کے پاس ایسی حدیثیں ہیں جو کسی اور کے پاس نہیں اور ثقہ راوی میں یہ کوئی عیب کی بات بھی نہیں، کیونکہ صحتِ حدیث کے لئے راوی کا ثقہ اور ضابط ہونا اور سند کا متصل ہونا یہ ضروری ہے، مگر راوی کا متعدد یعنی کم از کم دو ہونا ضروری نہیں۔ تمام کتابوں میں ہے کہ شہادت میں عدد (دو ہونا) ضروری ہے، مگر روایت میں عدد قطعاً ضروری نہیں، بلکہ تنہا ایک راوی کی روایت بھی صحیح ہوتی ہے۔

امام شمس الدین سخاویؒ لکھتے ہیں:

''العدد غير شرط فيه على المعتمد بل الصحة تجامع الغرابة''. (۶۲)

ترجمہ: ''صحیح قول کے مطابق اس (صحتِ حدیث) میں عدد (کم از کم دو ہونا) شرط نہیں، بلکہ صحت، غرابت (تفردِ راوی) کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے''۔

یعنی کسی حدیث کا ''غریب''، (۶۳) ہونے کے ساتھ ساتھ صحیح ہونا بھی درست ہے۔

(بقیہ حاشیہ) گھٹانا ہے۔ شیخ البانی کو حافظ ابن حجرؒ کے ان الفاظ نے زیر بحث حدیث کی تصحیح کے لئے متابع کے پیچھے پھیرے لگوائے، کاش! وہ متقدمین پر اعتماد کرتے اور اصل مراجع سے ازرق کا مقام معلوم کرتے۔

(۶۲) فتح المغيث للإمام السخاويؒ، جلد: ۱، ص: ۲۳۳، طبع: مكتبة السنة، القاهرة، مصر۔

(۶۳) یہاں غرابت اور تفردِ راوی پر تھوڑی تفصیل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، تاکہ امام شافعیؒ (جو کہ شانِ تحدیث کی بجائے شانِ اجتہاد کا غلبہ رکھنے والے عظیم امام تھے) کی طرف منسوب ایک مغالطہ انگیز ''قسم غریب'' سے پردہ اٹھ جائے کہ جس کا تذکرہ اصولِ حدیث کی متداول کتابوں میں ہے۔ (جاری ہے)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

.....

(بقیہ حاشیہ) غرابت پر مشتمل "حدیث غریب" کی حقیقت یہ ہے کہ باعتبار سندِ "غرابت" میں سند کا دارومدار ایک ہی راوی پر رہ جاتا ہے، جس کو تفرد راوی کہتے ہیں اور یہ "غرابت" سند کے کسی بھی حصے میں ہو سکتی ہے۔

سو کسی راوی کی روایت کی صحت کے لئے بنیادی چیز اس کا ثقہ ہونا ہے:

"عهدة الصحيح عدالة الراوی". (نخب الافکار فی شرح معانی الآثار للإمام العینیؒ، جلد:۳، ص:۴۷، طبع: دار النوادر سوریة)

"صحتِ حدیث کے لئے بنیادی چیز راوی کا عادل (ثقہ) ہونا ہے"۔

اس (صحت) کے لئے عدد (ایک سے زائد راوی کا ہونا) شرط نہیں، جیسا کہ تمام کتب اصولِ حدیث میں ہے۔

امام ابن کثیرؒ کثیر تعداد مسائل کے ثبوت کی بنیاد ایسی ہی (غریب) احادیث کو قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وليس من ذلك أن يروی الثقة مالم يرو غيره بل هو مقبول إذا كان عدلاً ضابطاً حافظاً فإن هذا لورد لردّت أحاديث كثيرة من هذا النمط وتعطلت كثير من المسائل عن الدلائل". (اختصار علوم الحديث لابن كثير، ص:۶۷، ۶۶، طبع: مكتبة دار السلام، الرياض)

"اور اس (شاذ مردود) میں سے یہ نہیں کہ کوئی ثقہ ایسی روایت نقل کرے جو اس کے علاوہ کوئی نقل نہ کرے، بلکہ یہ تو مقبول (اور صحیح) ہے، جبکہ وہ (راوی) عادل، ضابط اور حفظ واتقان والا ہو، اس لئے کہ اگر ایسی (غریب ثقہ) روایت رد ہوگی تو اس طرح بہت سی احادیث رد ہو جائیں گی اور بہت سے مسائل دلائل سے خالی ہو کر رہ جائیں گے"۔

اور غریب المتن میں غرابتِ سند کے ساتھ متنِ حدیث بھی ایسا ہوتا ہے کہ جو کسی دوسرے راوی سے ثابت نہیں ہوتا۔ (مقدمه بن الصلاح، ص: ۲۷۱، طبع: دار الفكر، بيروت)

اب راوی ضعیف ہونے کی صورت میں روایت کا ضعیف ہونا ظاہر ہے، لیکن راوی ثقہ ہونے۔ (جاری ہے)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

.....

(بقیہ حاشیہ) کی صورت میں کیا محض غرابت اور ''تفردِ راوی'' کی وجہ سے کوئی روایت ضعیف ہوتی ہے؟ سو اس بارے میں اصولِ حدیث کی عام کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ ''غریب ثقہ اگر راوئ اوثق یا رواتِ ثقات کی روایت کے مخالف واقع ہو اور مخالفت بھی ایسی کہ نا قابلِ تطبیق، تو ''غریب ثقہ'' کو صحیح کا رتبہ نہیں ملتا۔ چنانچہ ''عدمِ شذوذ'' کو شرطِ صحت حدیث قرار دے کر تعریفِ حدیثِ صحیح کا جزء بنا دیا گیا ہے اور اس (شذوذ) کی تشریح مخالفتِ اوثق یا ثقات سے کی گئی۔ اور اس عدمِ شذوذ کے شرطِ صحت ہونے کو امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا گیا، مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ نسبت ہی سراسر غلط ہے کیوں کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے کہیں نہیں فرمایا کہ متفرد (ثقہ) کی روایت اوثق یا ثقات کی روایت کے مخالف ہونے سے صحیح نہیں ہوگی، ضعیف ہوگی. بلکہ انہوں نے صرف یہ فرمایا کہ بصورتِ مذکورہ متفرد ثقہ کی روایت مرجوح ہوگی اور روایتِ اوثق وثقات راجح۔ سو اس سے قطعاً یہ لازم نہیں آتا کہ روایتِ مرجوحہ ضعیف ہوگی جیسے حدیثِ منسوخ مرجوح ہوتی ہے اور حدیث ناسخ راجح۔ مگر اس سے منسوخ حدیث کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا جیسے منسوخ آیتیں بھی صحیح ہیں اور ناسخ آیتیں بھی، اسی طرح راجح اور مرجوح دونوں ہی قسم کی روایتیں رجالِ ثقات سے اتصالِ سند کے ساتھ ثابت ہو کر صحیح بھی ہو سکتی ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کا کلام اس (صحیح ہونے نہ ہونے) سے متعلق سرے سے ہے نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جیسے شافعی المسلک محدث اس مغالطے سے متنبہ ہوئے تو خاموش نہ رہ سکے اور اس کا ازالہ ضروری سمجھتے ہوئے لکھا:

لكن الشافعيؒ صرح بانه مرجوح وان الرواية الراجحة أولى لكن هل يلزم من ذلك عدم الحكم عليه بالصحة؟ محل توقف۔

(النكت على كتاب ابن الصلاح لابن حجرؒ ص ٢٦٣ ط: دار الكتب العلمية و فتح المغيث للامام السخاوي ص ٢٣٢ ج ١)

''مگر امام شافعیؒ نے تصریح فرمادی ہے کہ ایسی (متفرد ثقہ کی مخالف اوثق یا مخالف ثقات) روایت مرجوح ہوگی اور روایت راجحہ (مخالف ثقہ روایت اوثق و روایت ثقات) مقدم ہوگی، لیکن اس (مرجوحیت) سے اس (متفرد ثقہ کی روایت) پر عدمِ صحت کا بھی حکم لگایا جائے؟ سو یہ محلِ توقف ہے''۔

(جاری ہے)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

.....

(بقیہ حاشیہ) اور تحقیق وجستجو کے شہسوار حافظ ابن حجرؒ نے اس توقف کو زیادہ دیر ٹھہرنے نہیں دیا چنانچہ فیصلہ کن انداز میں توقف کی دیوار کو توڑتے ہوئے جو فرمایا وہ امام سیوطی کی زبانی سنیے:

فمجرد اختلاف أحد رواته لمن هو أوثق منه أو أكثر عددا لا يستلزم الضعف بل يكون من باب صحيح وأصح فقال ولم يرو مع ذلك عن أحد من أئمة الحديث اشتراط نفي الشذوذ المعبر عنه بالمخالفة وانما الموجود من تصرفاتهم تقديم بعض ذلك على بعض في الصحة. (تدريب الراوي للامام السيوطي ج ١ ص ٦٥ ط:المكتبة العلمية بالمدينة المنورة)

''حدیث کے کسی راوی کی اپنے سے زیادہ ثقہ یا زیادہ تعداد (ثقہ لوگوں) کی مخالفت (اس حدیث کے) ضعیف ہونے کو لازم نہیں کرتی بلکہ یہ صحیح اور اصح کی قبیل سے ہوگا، (کہ متفرد ثقہ کی روایت صحیح اور امام شافعیؒ کے اصول کی رو سے اوثق وثقات کی روایت اصح ہوگی) انہوں نے (یعنی حافظ ابن حجرؒ نے) آگے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ ائمہ علمِ حدیث میں سے کسی ایک سے بھی (صحت حدیث کے لیے) شذوذ بمعنی عدمِ مخالفتِ ثقات کی شرط منقول نہیں، البتہ ان کے تصرفات میں ان میں سے ایک (اوثق اور ثقات کی) روایت کو دوسری (متفرد ثقہ کی) روایت پر صحت میں مقدم کرنا پایا جاتا ہے (نفی صحت نہیں)''

حافظ ابن حجرؒ پورے وثوق سے فرما رہے ہیں کہ ائمہ حدیث میں سے کسی نے بھی عدمِ شذوذ کو صحتِ حدیث کے لیے شرط قرار نہیں دیا تو آخر اس شرط کا مدار امام شافعیؒ جیسے عظیم مجتہد وفقیہ پر ہی قرار پاتا ہے، سو امام ابن حجرؒ فرما چکے ہیں کہ انہوں نے بھی عدمِ شذوذ کو شرطِ صحت قرار نہیں دیا، بلکہ وجوہِ ترجیح میں سے ہونا ذکر کیا ہے، جیسے تعارضِ نصوص کی صورت میں ہر مجتہد کے ترجیح کے اپنے اصول ہوتے ہیں تو امام شافعیؒ نے ایک اصول ترجیح یہ قائم کیا کہ بصورتِ مذکورہ روایاتِ ثقہ پر روایتِ اوثق اور روایتِ ثقات کو ترجیح ہوگی، مگر صحیح اور اصح کے فرق کے ساتھ دونوں روایتیں بدستور صحیح ہی رہیں گی، کیوں کہ ترجیح کی نوبت ہی تب آتی ہے جب دو متعارض روایتیں یا نصوص نفسِ صحت میں برابر ہوں، ورنہ تعارض ہی متحقق نہیں ہوتا، پھر ترجیح کی نوبت کہاں سے آئے گی؟ كما في كتب الأصول۔ (جاری ہے)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

.....

(بقیہ حاشیہ) اس لیے حافظ ابن حجرؒ نے اپنی فن تلخیص کی شاہکار تصنیف "نخبۃ الفکر" میں مخالفِ اوثق اور مخالف ثقات کی بجائے مخالف ارجح کا لفظ استعمال کیا اور ارجح کی تشریح میں متعدد وجوہِ ترجیح کے ضمن میں مخالفِ اوثق وثقات کو بیان کیا کہ تفرد ثقہ پر مشتمل روایت کے بالمقابل روایت میں اگر زیادتِ ضبط اور (حسب اصولِ شافعیہ) کثرتِ رواۃ سمیت کوئی بھی وجہ ترجیح موجود ہو تو اس کو ترجیح حاصل ہوگی، سو اس سے واضح ہے کہ اس میں دونوں ہی رواتیوں کو صحیح اور ثابت تسلیم کر کے وجہ ترجیح تلاش کرنے کا حکم ہے، اس لیے کہ ترجیح دینا یہ تصحیح حدیث کے بعد کا مرحلہ ہے۔ اگر تفرد ثقہ بوجہ مخالفِ اوثق یا ثقات ضعفِ حدیث کا سبب ہوتا تو مسئلہ یہیں ختم ہو جاتا کہ ضعیف ہونے کی بنا پر تفرد ثقہ والی روایت ساقط ہے اور اس کے لیے مخالفت کا لفظ بھی حقیقت کی رو سے استعمال نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ مخالفت کا لفظ تعارض کا ہم معنی ہے اور تعارض دو ثابت اور صحیح روایات میں ہوتا ہے، صحیح اور ضعیف میں نہیں، کیوں کہ ضعیف میں مخالفتِ صحیح کی سکت نہیں ہوتی۔

عملی طور پر بھی حافظ ابن حجرؒ نے اسی تحقیق کو اپنایا، چنانچہ ایک مقام پر ابو ہلال کنیت کے ایک راوی کی روایت سندِ متصل کے ساتھ نقل کر کے آگے فرمایا:

هذا حديث حسن، اخرجه احمد عن وكيع عن ابي هلال..... وابو هلال اسمه محمد بن سليم بصري صدوق في حفظه شيء.... وقد خالف اباهلال في روايته وهيب بن خالد وهو اوثق منه ، فزاد في الاسناد رجلاً. (موافقة الخبر الخبر في تخريج احاديث المختصر لابن حجرؒ ج ۲ ص ۴۴-۴۳ ط:مكتبة الرشد،الرياض)

"یہ حدیث حسن ہے امام احمد نے اس کو وکیع کے واسطے سے ابو ہلال سے روایت کیا ہے۔ ابو ہلال کا نام محمد بن سلیم ہے، بصرہ کے رہنے والے ہیں، صدوق (سچے) ہیں، البتہ قوتِ حفظ میں کچھ کمی ہے۔ ابو ہلال کی اس روایت میں وہیب بن خالد (نامی راوی) نے مخالفت کی ہے جو کہ اس (ابو ہلال) سے اوثق (زیادہ ثقہ) ہیں، چنانچہ انہوں نے سند میں ایک راوی کا اضافہ کیا"۔

سو اوثق کی مخالفت کے باوجود ابو ہلال کی سند کو حسن کہنے میں یہی وجہ کارفرما تھی کہ مخالفت اوثق سے روایت میں ضعف پیدا نہیں ہوتا، نہ صحتِ سند اور صحتِ حدیث پر اس کا کوئی اثر ہوتا ہے۔ (جاری ہے)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

.....

(بقیہ حاشیہ) خلاصہ یہ کہ غرائبِ ثقہ کی تمام صورتیں صحتِ حدیث کے ساتھ جمع ہو سکتی ہیں، محض غرابتِ ثقہ کسی صورت میں بھی صحتِ روایت کے منافی نہیں، اس لیے کتبِ اصولِ حدیث میں مخالفتِ اوثق یا مخالفتِ ثقات پر مشتمل غریب ثقہ کو "شاذ مردود" جو کہا گیا ہے وہ شاذ مرجوح کے معنی میں ہے، یہ صحت کے منافی نہیں، لیکن مردود بمعنی ساقط الاعتبار یا ضعیف و نا قابلِ اعتبار ہو تو واجب الاصلاح غلط ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ خود صحیحین میں ایسی غرائب ثقہ روایات ہیں جو مخالف اوثق یا ثقات ہیں، تو کیا ان پر بھی لکیر پھیر دی جائیگی؟ راقم کے مفاخر میں شامل استاد، عظیم محقق، محدث، فقیہ، متکلم، معاصرین میں تا شامِ زندگی اپنی نظیر کو ترسنے والے علامہ عبدالرشید نعمانیؒ نے "الامام ابن ماجة و كتابه السنن" کے ضمیمہ میں صحیحین کی ایسی ہی کچھ غریب احادیث بطورِ مثال ذکر کر دی ہیں، قارئین مراجعت کر کے علومِ اوائل کی جھلک وہاں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

بہر کیف! غرائبِ ثقہ بھی جب صحیح ہیں، پھر زیرِ بحث حدیث کی صحت کے لیے کسی متابع کی تلاش میں پڑنا اور اس ابوالجہم ازرق کی روایت کو متابع پر موقوف کرنا، اصولِ حدیث سے ناواقفیت ہی ہو سکتی ہے، کیوں کہ غرائبِ ثقہ کی مخالفتِ اوثق یا مخالفتِ ثقات بھی جب صحتِ روایت پر اثر انداز نہیں ہوتی جو کہ صحیحین کی احادیث کے پیشِ نظر امام بخاریؒ و امام مسلمؒ کا مذہب معلوم ہوتا ہے اور ابن حجرؒ کی تحقیق بھی یہی ہے تو "یغرب" جیسے الفاظ سے راوی کی ثقاہت پر کیسے کوئی اثر پڑ سکتا ہے؟ شیخ البانی، ابن حبان کے "یغرب" لفظ کی وجہ سے (جو کہ حافظ ابن حجرؒ نے بھی "تقریب التهذیب" میں نقل کیا ہے) اس کے متابع کے پیچھے بھٹکتے رہے، جب کہ تفردِ ضعیف میں اس کی ضرورت ہوتی ہے، تفردِ ثقہ میں نہیں۔ نیز کبار محدثین کے اقوال گزر چکے کہ مسند ابویعلی کی زیرِ بحث سند مستقل صحیح ہے، متابع کی بنا پر نہیں، نہ مجموعہ روایات کی رو سے۔ شیخ شعیب ارنؤوط بھی بظاہر شیخ البانی کی تقلید میں زیرِ بحث حدیث کو "صحيح بطرقه" کہہ گئے، کما مر، جب کہ مسند ابویعلی کی زیرِ بحث روایت بذاتِ خود صحیح ہے، متابع یا دیگر اسانید کی بیساکھی کے سہارے سے نہیں۔ حافظ الدنیا امام ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۵۹۵-۵۹۴ رقم الحدیث ۳۴۴۱ میں مسند ابویعلیٰ کی روایت کو مستقل صحیح قرار دیا ہے، جب کہ ابن حجرؒ کی حدیث و اصول حدیث اور رجال و علل میں جو مہارت و حذاقت ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

یحییٰ بن ابی بکیر:

خلاصة الخزرجی صفحہ ۲۵ اور فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۵۹۴ میں ازرق کے اس شیخ کا نام "یحیی بن ابی کثیر" غلطی سے آیا ہے، جیسا کہ ابویعلی کی سند اور تراجم ازرق سے ظاہر ہے اور بظاہر یہ نام کے اکثر حصے میں یکسانیت اور "کثیر" اور "بکیر" میں رسم الخط کے قرب کا نتیجہ ہے۔ بہر حال یہ بخاری و مسلم سمیت صحاح ستہ کی تمام کتابوں کے راوی ہیں۔ حفاظ کبار میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ امام ذہبیؒ نے تذکرة الحفاظ میں ان کے حالات ذکر کیے ہیں اور ان کی توثیق پر فرمایا:

"یحیی بن أبی بکیر القاضي الحافظ الثقة ... قد وثقوه... قال أحمد: کان کیّساً وقال ابن معین: ثقة"۔ (۶۴)

"یحیی بن ابی بکیر، قاضی، حافظ ہیں، ثقہ ہیں۔۔۔۔ محدثین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ یہ عقل مند تھے، ابن معینؒ نے کہا کہ یہ ثقہ ہیں۔"

مستلم بن سعید:

یہ سنن اربعہ کے راوی ہیں، حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

"مستلم بن سعید الثقفي الواسطي العابد... عن أحمد؛ شیخ ثقة... قال یحیی: والقول قول المستلم... قال النسائي: لیس به بأس وذکره ابن حبان في الثقات."(۶۵)

---

(۶۴) تذکرة الحفاظ ج: ۱۰، ص: ۳۷۵، رقم الترجمة: ۳۸۴ ط: دار الکتب العلمیة۔

(۶۵) تهذیب التهذیب ج: ۱۰۰ ص: ۹۵، رقم الترجمة: ۱۹۵، من حرف المیم، ط: عبدالتواب اکادمی ملتان۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

"مستلم بن سعید ثقفی، واسطی عابد۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ یہ ثقہ شیخ ہیں، یحیی بن معین نے (ایک سند پر کلام کرتے ہوئے) فرمایا (اس میں) مستلم کی روایت ہی معتبر ہے۔۔۔ امام نسائی نے فرمایا: ان (کی روایت) میں کوئی قباحت کی چیز نہیں اور ابن حبانؒ نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔"

حجاج بن الاسود القسملی:

یہ اس (مسند ابویعلی کی) سند میں صرف نام کے ساتھ مذکور ہے، مگر دار قطنیؒ کی روایت اور حافظ ابن حجرؒ کے زیرِ مطالعہ رہنے والے نسخے کے مطابق امام بیہقیؒ کی روایت جو کہ "حیاۃ الانبیاء" میں ہے اس میں بھی "حجاج" کے ساتھ "الاسود" کی تصریح موجود ہے (کما مر)، البتہ "حجاج" کے بعض تلامذہ روایت کرتے وقت ان کو "حجاج الاسود" کی بجائے "حجاج بن الاسود" کہہ دیتے ہیں۔ (٦٦)

امام ذہبیؒ اپنی شروع کی تصانیف میں شامل "میزان الاعتدال" میں "بن الاسود" کے لفظ سے گڑبڑا گئے، جب کہ امام ابن حبان نے "الثقات" میں وضاحت بھی کردی ہے کہ ان کے بعض شاگرد ان کو "ابن الاسود" کہہ دیتے ہیں اور اگلے صفحات میں زیرِ بحث حدیث کی دوسری اسانید میں اس کی تصدیق بھی ہوجائے گی کہ ان (حجاج الاسود) کو ان اسانید میں "حجاج بن الاسود" ہی کہا گیا ہے۔

امام شمس الدین ذہبیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"حجاج الأسود هو القسملي، رجل صالح عابد، يقال

(٦٦) كتاب الثقات لابن حبان ج:٣، ص:٢٩٢ – لسان الميزان ج:٢، ص:١٧٦۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

له زق العسل.... وثقه ابن معين وغيره."(٦٧)

''حجاج الاسود یہ قسملی ہیں، نیک اور عبادت گزار آدمی ہیں، ان کو ''شہد کا مٹکا'' کہا جاتا ہے۔ (آگے فرمایا) ابن معینؒ وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔''

اور امام جمال الدین مزیؒ لکھتے ہیں:

"حجاج الأسود هذا من العباد يكتب كلامه وقال -ايضاً-: صالح الحديث وقال عبدالله بن احمد بن حنبل عن ابيه: حجاج الأسود القسملي رجل صالح حدث عنه حماد بن سلمة، ماأرى به باساً، قال عبدالله: وسألت يحيى بن معين عن حجاج الأسود فقال: ثقة حدث عنه حماد بن سلمة وهو بصري ثقة."(٦٨)

''حجاج الاسود عابد زاہد لوگوں میں سے ہیں، ان کی حدیثیں لکھی جاسکتی ہیں، انہوں نے (ابوحاتم) نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ حدیث کی صلاحیت والے ہیں۔ عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ نے اپنے والد (احمد بن حنبلؒ) سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ حجاج بن الاسود قسملی، یہ نیک آدمی ہیں، حماد بن سلمہ نے ان سے حدیث روایت کی ہیں، میں ان (حجاج سے روایت کرنے) میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ عبداللہ (بن

(٦٧) تاريخ الاسلام للذهبيؒ ج:٣، ص: ٨٣٢، الطبقة الخامسة عشرة، رقم الترجمة: ٨١، منها، ومثله في سير أعلام النبلاء للذهبي ج:٧، ص:٧٦، ط: مؤسسة الرسالة۔

(٦٨) تهذيب الكمال للمزيؒ ج:٦، ص:٦٠، رقم الترجمة: ١١٠١، ط: مؤسسة الرسالة۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

احمدؒ) فرماتے ہیں کہ میں نے حجاج الاسود کے بارے میں یحیی بن معین سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ ثقہ ہیں، حماد بن سلمہ نے ان سے حدیث روایت کی ہے اور وہ بصرہ کے رہنے والے ہیں، ثقہ ہیں"

ثابت البنانی:

یہ صحیحین سمیت تمام صحاح ستہ کے راوی ہیں، بہت سے صحابہؓ سے روایت کرنے والے مشہور تابعی ہیں۔ امام ذہبیؒ ان کے تعارف میں لکھتے ہیں:

"ثابت بن أسلم البناني أبو محمد أحد أئمة التابعين في البصرة وكان رأساً في العلم والعمل ثقة رفيعاً."(٦٩)

"ثابت بن اسلم بنانی ابومحمد (کنیت ہے)، بصرہ کے ائمہ تابعین میں سے ہیں (آگے فرمایا) آپ علم وعمل میں چوٹی کے آدمی تھے، اونچے پائے کے ثقہ تھے"

اور اپنی دوسری عظیم الشان تصنیف "سیر اعلام النبلاء" میں فرمایا:

"ثابت بن أسلم الامام القدوة شيخ الاسلام أبو محمد البناني... قال أبو طالب: سألت أحمد بن حنبل عن ثابت... فقال: ثابت تثبت في الحديث... وكان أذكر وكان محدثاً من الثقات المامونين صحيح الحديث، وقال أحمد العجلي: ثقة رجل صالح، وقال النسائي: ثقة، وقال أبو حاتم الرازي: أثبت أصحاب

(٦٩) تاريخ الاسلام للذهبيؒ ج:٣، ص:٣٨٢، الطبقة الثالثة عشرة، رقم الترجمة: ٣٥ منها، ط: دار الغرب الاسلامي، بيروت-تحقيق بشار۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

أنس بن مالكؓ: الزهري ثم ثابت ثم قتادة."(۷۰)

''ثابت بن اسلم امام، مقتدا اور شیخ الاسلام ہیں، ابومحمد (کنیت ہے)، (نسبتاً) بنانی ہیں، (آگے فرمایا) ابوطالب کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے ثابت ے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ ثابت حدیث (روایت کرنے) میں معتمد تھے۔ ان کو (حدیثیں) خوب یاد تھیں، خطا سے محفوظ اور صحیح حدیثیں سنانے والے ثقہ محدث تھے اور احمد بن عجلی فرماتے ہیں کہ: حضرت انس بن مالکؓ کے تلامذہ میں سب سے معتمد زہریؒ، پھر ثابتؒ، اس کے بعد قتادہؒ ہیں''۔

مسلم شریف، صحیح ابن حبان وغیرہ میں مذکور قبر میں موسیٰ علیہ السلام کی نماز کے مشاہدے کی حدیثِ مرفوع بھی ثابت بنانیؒ نے آپ ﷺ کے دس سالہ خادم حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے، اور زیرِ بحث حیاۃ الانبیاء کی حدیث بھی ثابت بنانیؒ نے ہی حضرت انسؓ سے روایت کی ہے۔ آپ نماز کے شیدائی تھے۔ ان انبیاء علیہم السلام کی صلوٰۃ فی القبر کی احادیث سے آپ کے دل میں بھی قبر میں نماز پڑھنے کا شوق انگڑائی لینے لگا، چنانچہ ایک روز اپنے شاگردِ خاص حمید الطویل سے اس شوقِ دروں کو بے حجاب کرتے ہوئے کہنے لگے:

"هل بلغك يا أبا عبيد أن أحداً يصلي في قبره الا الأنبياء، قال: لا، قال: ثابت اللهم ان أذنت لأحد أن يصلي في قبره فأذن لثابت أن يصلي في قبره."(۷۱)

''اے ابوعبید! کیا تمہیں کوئی ایسی حدیث پہنچی ہے (جس میں ہو) کہ

---

(۷۰) سیر اعلام النبلاء ج:۵، ص:۲۲۲-۲۲۰ ط:مؤسسة الرسالة۔

(۷۱) حلية الأولياء لأبي نعيم ج:۲، ص:۳۶۲، رقم الترجمة:۲۵۶۲، ط: ادارۂ تالیفات اشرفیہ-ملتان۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کوئی ایسا بھی ہوگا جو اپنی قبر میں نماز پڑھے گا سوائے انبیاء علیہم السلام کے؟ انہوں نے (حمید الطویل نے) کہا: جی نہیں۔ تو ثابتؒ نے کہا: اے اللہ! اگر تو نے کسی (امتی) کو اپنی قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت دی تو ثابت کو بھی اس کی اجازت عنایت فرما کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھے۔"

امام ذہبیؒ لکھتے ہیں:

"فيقال: ان هذه الدعوة استجيبت له وانه رئي بعد موته يصلي في قبره." (۷۲)

"سو کہا جاتا ہے کہ ان کی یہ دعا ان کے حق میں قبول بھی ہوئی، چنانچہ انتقال کے بعد ان کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا گیا۔"

اس طرح آپ قبر میں نماز پڑھتے کیسے نظر آئے؟ ابونعیمؒ نے حلیۃ الاولیاء میں اپنی سند کے ساتھ اس کی تفصیل درج کی ہے، یہاں اس کی تفصیل کا ذکر باعثِ تطویل ہوگا۔ قارئین راقم کی کتاب "موت سے واپسی کے ایمان افروز واقعات" کے صفحہ ۱۶۱ و ۱۶۲ پر اس کی تفصیل ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

انس بن مالک خزرجیؓ:

یہ مشہور خادمِ رسول ﷺ، انصاری صحابی ہیں، آپ ﷺ سے دو ہزار دو سو چھیاسی (۲۲۸۶) احادیث روایت کی ہیں، ایک اور صحابیؓ ہیں جو نام، ولدیت اور صحابی ہونے میں آپ کے ساتھ شریک ہیں، وہ حضرت انس بن مالک کعبی اشہلی ہیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے صرف ایک حدیث روایت کی ہے۔

(۷۲) سیر اعلام النبلاء، ج: ۵، ص: ۲۲۲، ط: مؤسسة الرسالة-بیروت۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اتصالِ سند کا اعلیٰ درجہ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اتصالِ سند کا اعلیٰ درجہ

ابویعلی کی اس سند کے تمام راویوں کا اپنے شیخ سے لقاء وسماع حدیث کتب تراجم میں صراحۃً مذکور ہے گو کہ امکانِ لقاء بوجۂ معاصرت وسفرِ بلادِ شیخ ہی اتصالِ سند کے لیے صحیح قول کے مطابق کافی ہوتا ہے، ثبوتِ لقاء وصراحتِ سماع کا کتب تراجم میں ملنا ضروری نہیں ہوتا۔

امام بخاریؒ وغیرہ کی طرف سے اتصالِ سند وصحتِ سند کے لئے بھی عائدہ کردہ ثبوتِ لقاء کی سخت شرط بھی اس میں پائی جاتی ہے، اب جب کہ اس کے تمام رجالِ سند ثقہ ثابت ہو چکے تو اس کے اعلی درجے کے اس اتصالِ سند کو بھی ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) ابویعلی کی سند:

بحث کے شروع میں مسند ابویعلی کی سند گزر چکی ہے کہ وہ اس طرح ہے:

"حدثنا أبو الجهم الأزرق بن علي حدثنا يحيى بن أبي بكير حدثنا المستلم بن سعيد عن الحجاج عن ثابت البناني عن أنس بن مالك رضي الله عنه."

(۱) حدثنا أبو الجهم الأزرق بن علي: اس میں امام ابویعلی نے ابوالجہم الازرق بن علی سے حدیث روایت کی ہے اور امام ابویعلی کا سماع حدیث ابوالجہم ازرق سے ثابت ہے، چنانچہ امام ذہبیؒ لکھتے ہیں:

Telegram : t.me/pasbanehaq1

"الأزرق بن علي الحنفي أبو الجهم ... سمع... عنه... أبويعلى الموصلي."(۷۳)

''ازرق بن علی حنفی ابوالجہم، ان سے ابویعلی موصلیؒ نے حدیثیں سنی ہیں''۔

(۲) حدثنا یحیی بن أبي بکیر: اس میں ازرق بن علی، یحیی بن ابی بکیر سے روایت کررہے ہیں۔ کتبِ تراجم میں ازرق کی یحیی بن ابی بکیر سے روایت کا ذکر موجود ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

"الأزرق بن علي بن مسلم الحنفي ...أبو الجهم، روى عن ...يحيى بن أبي بكير."(۷۴)

''ازرق بن علی بن مسلم حنفی، ابوالجہم (ان کی کنیت ہے)، انہوں نے یحیی بن ابی بکیر سے روایت کی ہے۔''

(۳) حدثنا المستلم بن سعید: اس میں مستلم سے یحیی بن ابی بکیر روایت کررہے ہیں اور مستلم سے یحیی بن ابی بکیر کا روایت کرنا ثابت ہے۔ امام جمال الدین مزیؒ لکھتے ہیں:

"مستلم بن سعيد الثقفي الواسطي...روى عنه...يحيى بن أبي بكير الكرماني."(۷۵)

''مستلم بن سعید ثقفی واسطی، ان سے .....یحییٰ بن ابی بکیر نے .....روایت بیان کی ہے۔''

(۴) عن الحجاج: اس میں مستلم نے حجاج بن ابی زیاد اسود سے روایت بیان

---

(۷۳) تاریخ الاسلام للذهبيؒ، ج:۵، ص:۵۲۹، ط: دار الغرب الاسلامي-بيروت.

(۷۴) تهذيب التهذيب، ج:۱، ص:۱۷۵، ط: عبدالتواب اکادمی-ملتان.

(۷۵) تهذيب الكمال، ج:۷، ص:۸۰، طبعة بشار في ثمانية مجلدات.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کی، سو یہ بھی ثابت ہے، چنانچہ امام جمال الدین مزیؒ لکھتے ہیں:

"مستلم بن سعيد الثقفي الواسطي... روى عن الحجاج بن أبي زياد الأسود." (۷۶)

"مستلم بن سعید ثقفی واسطی..... یہ حجاج بن ابی زیاد الاسود سے روایت کرتے ہیں۔"

(۵) عن ثابت البناني: اس میں حجاج الاسود، حضرت ثابت بنانی سے روایت کرتے ہیں، سو حجاج کا ثابت بنانی سے سماع و روایت بھی ثابت ہے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

"حجاج بن أبي زياد الأسود... روى عن ثابت." (۷۷)

"حجاج بن ابی زیاد الاسود..... یہ ثابت سے روایت کرتے ہیں۔"

(۶) عن أنس بن مالكؓ: اس میں حضرت ثابت بنانیؒ، حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں، سو ثابت کا حضرت انس بن مالک سے سماع حدیث تمام کتبِ رجال و تراجم میں مذکور ہے۔ حافظ جمال الدین مزیؒ لکھتے ہیں:

"ثابت بن أسلم البناني... روى عن... أنس بن مالكؓ." (۷۸)

"ثابت بن اسلم بنانی..... حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں۔"

---

(۷۶) تهذيب الكمال ج:۷، ص ۸۰، طبعة بشار في ثمانية مجلدات.

(۷۷) لسان الميزان ج:۲، ص:۱۷۵.

(۷۸) تهذيب الكمال، ج:۱، ص:۴۰۳، طبعة بشار في ثمانية مجلدات.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

۲:.....امام ابونعیم اصفہانیؒ کی روایت

Telegram : t.me/pasbanehaq1

(۲) امام ابونعیم اصفہانیؒ کی روایت

"حدثناعلي بن محمود ثناعبدالله بن ابراهيم بن الصباح ثنا عبدالله بن محمد بن يحيى بن أبي بكير ثنايحيى بن أبي بكير ثنا مستلم بن سعيد عن الحجاج عن ثابت البناني عن أنس بن مالكؓ قال: قال رسول الله -ﷺ-: الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون."(۷۹)

"ہمیں علی بن محمود نے یہ حدیث سنائی، فرمایا: ہمیں عبداللہ بن ابراہیم بن صباح نے یہ حدیث سنائی، فرمایا: ہمیں عبداللہ بن محمد بن یحیی بن ابی بکیر نے یہ حدیث سنائی، فرمایا: ہمیں یحیی بن ابی بکیر نے یہ حدیث سنائی، فرمایا: ہمیں مستلم بن سعید نے یہ حدیث سنائی حجاج سے، انہوں نے ثابت بنانی سے، انہوں نے انس بن مالکؓ سے، (انسؓ نے) فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔"

اس حدیث کے راویوں کے احوال

علی بن محمود المدینی:

امام ابونعیم اصفہانیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

(۷۹) ذكر اخبار اصبهان لأبي نعيم الأصبهاني، ج: ۲، ص: ۴۴، ط: دارالكتب العلمية.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

"علي بن محمود بن علي بن مالک بن الأخطل أبو الحسن المديني ثقة صاحب أصول كثير الحديث."(۸۰)

"علی بن محمود بن علی بن مالک بن اخطل ابوالحسن (کنیت ہے) مدینی (نسبت ہے) ثقہ ہیں، صاحب اصول اور احادیث کثیرہ کے راوی ہیں"۔

عبداللہ بن ابراہیم بن الصباح:

امام ابونعیم اصبہانیؒ نے تاریخ اصبہان میں ان کے حالات لکھے ہیں، یہ مقریٔ سے ملقب تھے، ان کے تین شاگرد امام ابونعیمؒ نے اپنے اساتذۂ احادیث میں ذکر کیے ہیں اور ہر ایک کی سند سے ایک ایک حدیث بھی روایت کی ہے۔(۸۱)

البتہ امام ابونعیم نے ان کے بارے میں کسی قسم کی جرح یا تعدیل ذکر نہیں کی، سو تضعیف یا توثیق سے حالات نگار اور مولفین کتب رجال سکوت اختیار کریں تو ایسا راوی ثقہ ہی شمار ہوتا ہے۔ امام ذہبیؒ لکھتے ہیں:

"الثقة من وثقه كثير ولم يضعف ودونه من لم يوثق ولا ضعف."(۸۲)

---

(۸۰) أخبار اصبهان ج: ۱، ص: ۲۴۴، رقم الترجمة: ۸۷۵.

(۸۱) تاریخ اصبهان ج: ۲، ص: ۴۴.

(۸۲) الموقظة في علم مصطلح الحديث للامام الذهبيؒ ص: ۷۸، ط: المطبوعات الاسلامية، حلب شام.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

''ثقہ وہ (راوی) ہے جس کی توثیق بہت سے لوگوں نے کی ہے اور اس کی تضعیف نہیں کی گئی اور اس سے کم درجہ میں (ثقہ) وہ راوی ہے جس کی نہ توثیق کی گئی نہ ہی تضعیف۔''

محدثِ عالم امام ابن مندہؒ (ابوعبداللہ محمد بن اسحاق) متوفی ۳۹۵ھ بھی زیر بحث راوی کے تلمیذِ حدیث ہیں۔ (جب کہ امام ابونعیمؒ کے استاذ ہیں) امام ابن مندہؒ نے اپنے اس استاذ (عبداللہ بن ابراہیم بن الصباح) سے خوب استفادہ کیا ان سے احادیث کا بڑا ذخیرہ حاصل کیا، چنانچہ اپنی کثیر تصانیف میں سے تقریباً ہر تصنیف میں اپنے اس شیخ سے روایتیں نقل کیں، ان میں سے "كتاب الايمان، كتاب التوحيد، معرفة الصحابةؓ، فتح الباب في الكنى والألقاب، الفوائد اور مجالس من أمالي ابن منده" راقم کے مطالعہ میں آئی ہیں، ان سب میں ابن مندہؒ نے اپنے اس شیخ سے روایتیں نقل کی ہیں اور ان روایتوں سے عبداللہ بن ابراہیم بن الصباح کے کثیر شیوخ کا پتہ چلتا ہے، جیسے اخبار اصبہان کی دونوں جلدوں سے ان کے کثیر تلامذہ کا۔ یہ سب روایتِ حدیث میں عبداللہ بن ابراہیم بن الصباح کی شہرت، ثقاہت اور حدیث میں مہارت کا پتہ دیتے ہیں۔ امام ذہبیؒ ایسے شیوخ و محدثین کے بارے میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

"وفي رواة الصحيحين عدد كثير ماعلمنا أن احداً نص على توثيقهم والجمهور على أن من كان من المشايخ قد روى عنه جماعة ولم يأت بماينكر عليه أن حديثه صحيح." (۸۳)

''صحیحین (بخاری و مسلم) میں ایسے راویوں کی بڑی تعداد موجود ہے کہ کوئی ایک شخص بھی ہمیں معلوم نہیں کہ جس نے ان (راویوں) کے ثقہ

(۸۳) ميزان الاعتدال للامام الذهبي، ج:۳، ص:۴۲۶، ترجمة مالك بن خير الربادي المصري.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہونے کی صراحت کی ہو اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ جو شیخ (راوی) ایسے ہیں کہ ایک جماعت نے ان سے روایت کی ہے اور قابلِ نکیر کوئی روایت بیان نہیں کی تو ایسے شیخ کی روایت صحیح ہے۔"

اور اصولِ حدیث کی رو سے دو یا اس سے زائد کی روایت سے مروی عنہ شیخ (راوی) مجہول کے دائرے سے نکل جاتے ہیں، اس کے بعد جرحِ مفسر جب تک ثابت نہ ہو، ایسے شیخ ثقہ ہوتے ہیں۔

امام ذہبیؒ لکھتے ہیں:

"وقد اشتهر عند طوائف من المتأخرين اطلاق اسم الثقة على من لم يجرح مع ارتفاع الجهالة عنه."(۸۴)

"(محدثین) متاخرین کے طبقوں میں ہر ایسے راوی پر ثقہ کا لفظ استعمال کرنا مشہور ہے کہ جس (راوی) پر جرح نہ کی گئی ہو اور وہ مجہول کے درجے میں بھی نہ ہو۔"

محقق عبدالفتاح ابوغدہؒ اس کو جمہور محققین متاخرین کا مذہب قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ثم رأيت كلاماً للامام ابن دقيق العيد يتلاقى فيه مع رأي جمهور النقاد المتاخرين الذين يرون سكوت المتكلمين في الرجال عن جرح الراوي يعد توثيقاً له."(۸۵)

"اس کے بعد میں نے امام ابن دقیق العید کا ایک کلام دیکھا جس میں

(۸۴) الموقظة في علم مصطلح الحديث للامام الذهبيؒ ص: ۷۸.

(۸۵) حاشية الرفع والتكميل للمحقق عبدالفتاح ص: ۲۳۴.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

انہوں نے جمہور محققین متاخرین کی رائے سے اتفاق کیا کہ جو یہ کہتے ہیں کہ روات پر کلام کرنے والوں کا کسی راوی پر جرح کرنے سے سکوت اختیار کرنا اس راوی کی توثیق شمار ہوتی ہے۔"

امام ابن الصلاح (ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمٰن) مقدمۂ ابن الصلاح میں فرماتے ہیں:

"ویشبه أن یکون العمل علی هذاالرأي في کثیرمن الکتب المشهورة في غیر واحد من الرواةالذین تقادم العهد بهم وتعذرالخبرة الباطنة بهم."(۸۶)

حدیث کی بہت سی مشہور کتابوں کے کئی ایسے راویوں کے بارے میں اس رائے (ثبوتِ جرح نہ ہونے پر ثقہ شمار کیا جانا) پر عمل متعین (واجب) ہے کہ جو قدیم زمانے میں گزرے ہیں اور ان کی ثقاہت اور ضعف سے آگاہی حاصل کرنا ناممکن ہو چکا ہے۔"

حاصل یہ کہ شیخ عبداللہ بن ابراہیم بن الصباح اصفہان کے مشہور بلکہ مرجع ثقات اور کثیر الحدیث محدث تھے، کسی نے ان پر کلام نہیں کیا، جس سے ان کا ثقہ ہونا ظاہر ہے۔

عبداللہ بن محمد بن یحیی بن ابی بکیر:

امام ذہبیؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

"عبدالله بن محمدبن یحیی بن أبي بکیرعن جده -قاضي کرمان-وعنه ابن صاعد ومحمد بن مخلد وثقه الخطیب". (۸۷)

---

(۸۶)مقدمة ابن الصلاح ، ص: ۱۱۲ ، ط: دار الفکر۔

(۸۷) تاریخ الاسلام ج:٦، ص: ۱۰۹ ، الطبقة السادسة والعشرون ، رقم الترجمة منها ۲۹۵ ، ط: دارغرب الاسلامي، تاریخ البغداد للخطیبؒ ج: ۱۱، ص: ۲۷۸ بتحقیق البشار۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

''عبداللہ بن محمد بن یحیی بن ابی بکیر انہوں نے اپنے دادا (یحیی بن ابی بکیر) سے حدیثیں سنی ہیں، یہ کرمان کے قاضی تھے، ان سے ابن صاعد اور محمد بن مخلد نے حدیثیں سنی ہیں، خطیب نے ان کو ثقہ کہا ہے۔''

آگے کی سند بعینہٖ مسند ابویعلی کی طرح ہے، جس کے رجال پر کلام گزر چکا ہے اور اس میں واضح ہو چکا ہے کہ سارے ثقہ راوی ہیں، لہٰذا امام ابونعیم اصفہانیؒ کی سند سے بھی یہ حدیث (الأنبیاء أحیاء في قبورهم یصلون) صحیح ہے کہ اس کے بھی سارے رجال ثقہ ہیں۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

۳:.....امام عبدالغنی بن سعیدؒ کی روایت

Telegram : t.me/pasbanehaq1

(۳) امام عبدالغنی بن سعیدؒ کی روایت:

امام کبیر حافظ عبدالغنی بن سعیدؒ (متوفی ۴۰۹ھ) اپنی مایہ ناز محققانہ تصنیف "ایضاح الاشکال" میں روایت کرتے ہیں:

"حدثنا ابراهيم بن علي الحنائي حدثنا يحيى بن محمد بن صاعد حدثنا عبدالله بن محمد بن يحيى بن أبي بكير ثنا يحيى بن أبي بكير ثنا المستلم بن سعيد عن الحجاج عن ثابت البناني عن أنس بن مالكؓ قال: قال رسول الله -ﷺ-: الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون."

"ہمیں ابراہیم بن علی حنائی نے حدیث سنائی، فرمایا، ہمیں یحیی بن محمد بن صاعد نے حدیث سنائی، فرمایا، ہمیں عبداللہ بن محمد بن یحیی بن ابی بکیر نے حدیث سنائی، فرمایا، ہمیں یحیی بن ابی بکیر نے حدیث سنائی، فرمایا، ہمیں مستلم بن سعید نے حدیث سنائی حجاج سے، انہوں نے ثابت سے، انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے کہ انہوں نے فرمایا کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔"

واضح رہے کہ حافظ عبدالغنی رحمہ اللہ کی "ایضاح المشکل" اسماء اور اسمائے آباء میں اشتراک رکھنے والے رجال پر محققانہ کتاب ہے، تہذیب الکمال میں اس کے بہت حوالے ہیں، اس میں مصنفؒ اپنی سند سے متعلقہ راوی کی احادیث وروایات ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ حجاج الاسود کے حالات میں انہوں نے یہ حدیث سندِ بالا سے اس

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کتاب میں ذکر کی۔ سیرتِ شامیہ کے مشہور مصنف علامہ محمد یوسف صالحیؒ نے بھی حافظ عبدالغنی بن سعیدؒ کی یہ روایت اس طرح نقل کی ہے:

"وقال الحافظ عبدالغني بن سعيد: حدثنا ابراهيم بن علي الحنائي حدثنا يحيى بن محمد بن صاعد حدثنا عبدالله بن محمد بن يحيى بن أبي بكير ثنا يحيى بن أبي بكير به."(۸۸)

"حافظ عبدالغنی بن سعید نے (حدیث بالا کی سند ذکر کرتے ہوئے) فرمایا:

"حدثنا ابراهيم بن علي الحنائي حدثنا يحيى بن محمد بن صاعد حدثنا عبدالله بن محمد بن يحيى بن أبي بكير ثنا يحيى بن أبي بكير، (آگے) سندِ سابق کی طرح ہے)".

سبل الهدیٰ والرشاد کے مطبوعہ نسخے میں "الحنالی" کا لفظ "الجبائی" سے اور صاعد کا لفظ ساعدۃ سے تصحیف ہو کر چھپا ہے، جس کی وجہ سے راوی کی تعیین میں بہت دقت ہوئی، والأجر عند الله.

اب اس سند کے راویوں پر نظر ڈالتے ہیں:

ابراہیم بن علی الحنائی:

امام ذہبیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ابراهيم بن علي بن أحمد أبو محمد البصري

(۸۸) سبل الهدىٰ والرشاد في سيرة خير العباد للعلامة محمد صالحي الشامي، ج: ۱۲، ص: ۳۵۶، ط: دار الكتب العلمية۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

المعروف بالحنائي يسمع أبامسلم الكجي والحسن بن المثنى وأباخليفة وبدمشق في الكهولة من الحصائري وعنه شهاب بن محمد الصوري وعبدالله بن علي الأبزوني وجماعة". (۸۹)

''ابراہیم بن علی احمد (کنیت) ابومحمد، بصرہ کے رہنے والے ہیں اور حنائی سے مشہور ہیں۔ انہوں نے ابومسلم کجی، حسن بن المثنی، ابوخلیفہ، اور بڑھاپے میں حصائری سے حدیثیں سنی ہیں اور ان سے (حدیثیں) سننے والوں میں شہاب بن محمد صوری، عبداللہ بن علی ابزونی اور ایک پوری جماعت ہے۔''

اور اس جماعت میں امام عبدالغنی بن سعید جیسے امام، حافظ، حجت اور محدثِ بلادِ مصر بھی شامل ہیں۔ (۹۰)

اور بھی کئی تلامذہ اور شیوخ حنائی کا تذکرہ حافظ ابن عساکرؒ (ابوالقاسم علی بن الحسن) متوفی ۵۷۱ھ نے ''تاریخ دمشق'' کی جلد ۷ کے صفحہ ۵۶ تا ۵۷ پر کیا ہے، جس سے محدث حنائی کا حدیث کے میدان میں نام ومقام کا پتہ چلتا ہے اور سب نے ان کے مثبت حالات ذکر کیے ہیں، کسی قسم کی جرح یا تضعیف کسی نے ذکر نہیں کی۔ پہلے مفصل گزر چکا ہے کہ ایسے راوی کا شمار ثقہ راویوں میں ہوتا ہے، لہٰذا محدث حنائی کا ثقہ ہونا ظاہر ہے۔

یحیی بن محمد بن صاعد:

(۸۹) تاریخ الاسلام للذہبیؒ، ج:۷، ص:۹۰۵، الطبقة الخامسة والثلاثون، رقم الترجمة منها ۴۱۱۔

(۹۰) سیر أعلام النبلاء للذہبیؒ ج:۱۷، ص:۲۶۸۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

امام ذہبیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"یحیی بن محمد بن صاعد بن کاتب الامام الحافظ المجود محدث العراق أبو محمد الهاشمي البغدادي رحال جوال عالم بالعلل والرجال". (۹۱)

"یحیی بن محمد بن صاعد بن کاتب۔ امام، حافظ، مجود اور محدث عراق ہیں، ابو محمد (کنیت ہے)، ہاشمی بغدادی ہیں (آگے فرمایا) حدیث کے لیے بہت سفر کرنے والے، دنیا بھر کا چکر لگانے والے، علل حدیث اور رجال کا علم رکھنے والے ہیں۔"

امام ابو یعلی خلیلیؒ (الخلیل بن عبداللہ القزوینیؒ) متوفی ۴۴۶ھ فرماتے ہیں:

"أبو محمد یحیی بن محمد بن صاعد ...ثقة امام یفوق في الحفظ أهل زمانه." (۹۲)

"ابو محمد یحیی بن محمد بن صاعد۔۔۔ثقہ ہیں، امام ہیں، حفظِ حدیث میں اپنے زمانے کے محدثین پر فوقیت رکھتے ہیں۔"

آگے عبداللہ بن محمد بن یحیی بن ابی بکیر سے سندِ سابق کی طرح ہے، جس کے رجال کے بارے میں مفصل گزر چکا ہے کہ سب ثقہ راوی ہیں۔ اس لیے امام عبدالغنی بن سعیدؒ کی اس سند کے سارے رجال ثقہ اور حدیث "الأنبیاء أحیاء في قبورهم

(۹۱) سیر أعلام النبلاء للذهبيؒ ج: ۱۴، ص: ۵۰۱، ط: مؤسسة الرسالة-بیروت.

(۹۲) کتاب الارشاد في معرفة علماء الحدیث للخلیلیؒ، ج: ۲، ص: ۶۱۱، (مسلسل) رقم الترجمة: ۳۳۲، ط: مکتبة الرشد-ریاض۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

يصلون" کی یہ سند بھی صحیح ہے۔

سو یہ کل تین سندیں ہوئیں، جو بالکل صحیح اور ان کے سارے رجال وروات ثقہ ہیں۔ اجلۂ محدثین ان سندوں کو صحیح اور اور ان کے رجال کو ثقہ کہتے ہیں۔ اس لیے زیرِ بحث "الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون" والی حدیث یقیناً صحیح اور بے غبار سندوں سے ثابت ہے، اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں۔

امام ابن الملقنؒ (ابو حفص عمرو بن علیؒ) متوفی ۸۰۴ھ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"عن أنسؓ قال: ان النبي -ﷺ- قال: الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون... وأما ابن السكن فذكر الحديث من وجهين في سننه الصحاح."(۹۳)

"حضرت انس بن مالک سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں (آگے فرمایا) ابن السکنؒ نے اس حدیث کو دو سندوں سے اپنی "السنن الصحاح" میں روایت کیا ہے۔"

کتاب کے نام سے واضح ہے کہ امام ابن السکن (حافظ اکبیر ابو علی سعید بن عثمان) متوفی ۳۵۳ھ نے فقہی ابواب کی ترتیب سے صحیح احادیث کا ایک مجموعہ تالیف کر کے، "السنن الصحاح" کے نام سے اسے موسوم کیا اور اس میں صحت کا التزام کرتے ہوئے صرف وہی حدیثیں درج کیں جو سند کی رو سے بھی صحیح ہیں اور متن کی رو سے بھی۔ اور انہوں نے اس کتاب میں زیرِ بحث حدیث دو سندوں سے روایت کی ہے۔ اس وقت یہ کتاب پیش نظر نہ ہونے کی وجہ سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ دو صحیح سندیں سابق میں مذکور تین میں سے

(۹۳) البدر المنير للامام ابن الملقنؒ، ج: ۱۳، ص: ۱۶۷، ط: دار العاصمة- الرياض.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کوئی دو ہیں یا کوئی اور دو صحیح سندیں ان کو اس حدیث کی ملی تھیں، لیکن یہ بات یقینی ہے کہ امام ابن سکنؒ زیرِ بحث حدیث کو دو سندوں سے صحیح فرماتے ہیں۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

چار صحیح لغیرہٖ روایات

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ا:.....امام ابوبکر بزارؒ

کی روایت

Telegram : t.me/pasbanehaq1

(۱) امام ابوبکر بزارؒ کی روایت:

امام ابوبکر بزارؒ (احمد بن عمرو العتکی) متوفی ۲۹۲ھ روایت کرتے ہیں:

"حدثنا رزق اللہ بن موسیٰ حدثنا الحسن بن قتیبة حدثنا المستلم بن سعید عن الحجاج یعني الصواف عن ثابت عن أنسؓ أن رسول اللہ -ﷺ- قال: الأنبیاء أحیاء في قبورهم یصلون." (۹۴)

"ہمیں رزق اللہ بن موسیٰ نے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حسن بن قتیبہ نے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں مستلم بن سعید نے حدیث سنائی حجاج سے، مراد حجاج صواف ہے، انہوں نے ثابت سے اور انہوں نے انسؓ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔"

اس سند میں شروع کے دو راوی سے آگے کی سند بعینہٖ امام ابویعلیٰؒ، امام ابونعیمؒ اور حافظ عبدالغنی بن سعیدؒ کی ہے۔ اس حصے کے سارے رجال کا ثقہ ہونا مفصل بیان ہو چکا ہے اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ بزار کی اس سند میں حجاج کو جو "حجاج صواف" کہا گیا ہے، یہ وہم

---

(۹۴) البحر الزخار المعروف بـ "مسند البزار"، ج:۱۳، ص:۲۹۹، رقم الحدیث:۶۸۸۸، ط: مکتبة العلوم والحکم، المدینة المنورة. وذکره الحافظ ابن حجرؒ في المطالب العالیة بزوائد المسانید الثمانیة، ج:۱۴، ص:۲۲۶، رقم الحدیث:۳۴۴۶ والهیثمي في کشف الأستار ج:۳، ص:۱۰۱، رقم الحدیث: ۲۳۴.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہے، یہ حجاج الاسود ہیں جیسا کہ بیہقی اور دار قطنی میں اس کی صراحت ہے، ۔ یہاں ''یعنی'' کہہ کر محض وہم سے ''الصواف'' کا خیال ظاہر کیا گیا ہے۔

اب شروع کے دو راویوں کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں:

رزق اللہ بن موسیٰ:

امام جمال الدین مزیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''رزق اللّٰہ بن موسیٰ الناجي أبو بکر ویقال أبو الفضل البغدادي الإسکافي الکلوذاني... روی عنه النسائي وابن ماجة... قال أبو بکر الخطیبؒ: کان ثقة وذکره ابن حبان في کتاب الثقات .''(۹۵)

''رزق اللہ بن موسیٰ ناجی۔ (کنیت) ابوبکر اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ (کنیت) ابوالفضل ہے، بغدادی اسکافی کلوذانی ہیں (آگے فرمایا) ان سے نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ (آگے فرمایا) ابوبکر خطیب فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ تھے۔ ابن حبان نے بھی ان کو اپنی کتاب ''الثقات'' میں ذکر کیا ہے۔''

الحسن بن قتیبة:

امام ابن حبان بستیؒ ان کے بارے میں ''کتاب الثقات'' میں لکھتے ہیں:

''الحسن بن قتیبة الخزاعي شیخ من أهل المدائن سکن بغداد، یروي عن مسعر بن کدام وشعبة روی عنه ابن

(۹۵) تهذیب الکمال ج: ۲، ص: ۴۸۱، ط: مؤسسة الرسالة في ثمانیة مجلدات.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

أبي شيبة وأهل العراق كان يخطئ ويخالف."(۹۶)

"حسن بن قتیبہ خزاعی، مدائن کے رہنے والے محدث ہیں، بغداد میں جا بسے تھے۔ مسعر بن کدام اور شعبہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابن ابی شیبہ اور اہلِ عراق نے روایت کی ہے۔ خطا کر جاتے ہیں اور (ثقات) کی مخالفت کر لیتے ہیں۔"

اس میں امام ابن حبانؒ نے حسن بن قتیبہ کے دین اور دیانت پر کوئی سوال نہیں اٹھایا البتہ ایک کمزوری ان میں یہ بیان فرمائی کہ خطا کر جاتے ہیں اور ثقات کی مخالفت کر لیتے ہیں۔ سوزیرِ بحث روایت میں ان کے شیخ مستلم بن سعید ہیں اور مسند ابویعلی وغیرہ کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ مستلم کے ایک اور حافظ متقن اور مضبوط ثقہ شاگرد یحیی بن ابی بکیر بھی مستلم سے یہ روایت سنداً ومتناً اسی طرح نقل کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حسن بن قتیبہ نے یہ حدیث اپنے شیخ مستلم سے یاد رکھی ہے، اس میں خطا یا مخالفت نہیں کی تو یہ کمزوری بھی اس روایت میں منتفی ہوگئی، امام ابن حبانؒ نے بھی "ثقات" میں تذکرہ کر کے ابن قتیبہ کے فی نفسہ ثقہ ہونے کی تصریح کر دی۔

مستلم بن سعیدؒ سے لے کر آگے کی سند کے سارے رجال ثقہ ہیں، جیسا کہ سابقہ اوراق میں گزرا۔

(۹۶) كتاب الثقات ج:۵، ص:۱۰۹، رقم الترجمة: ۷۷۲ ط: دار الكتب العلمية-بيروت

Telegram : t.me/pasbanehaq1

۲:.....امام ابن عدیؒ کی روایت

Telegram : t.me/pasbanehaq1

(۲) امام ابن عدیؒ کی روایت:

امام ابن عدیؒ (ابو احمد عبداللہ بن عدی) متوفی ۳۶۵ھ روایت کرتے ہیں:

حدثنا قسطنطين بن عبدالله الرومي مولى المعتمد على الله أمير المؤمنين ثنا الحسن بن عرفة حدثني الحسن بن قتيبة المدائني ثنا المستلم بن سعيد الثقفي عن الحجاج بن الأسود عن ثابت البناني عن أنسؓ قال: قال رسول الله -ﷺ-: الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون. (۹۷)

''ہمیں قسطنطین بن عبداللہ رومی نے حدیث سنائی جو کہ امیر المومنین معتمد علی اللہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، فرمایا: ہمیں حسن بن عرفہ نے حدیث سنائی، فرمایا: ہمیں حسن بن قتیبہ مدائنی نے حدیث سنائی، فرمایا: ہمیں مستلم بن سعید ثقفی نے حدیث سنائی حجاج بن اسود سے، انہوں نے ثابت بنانی سے، انہوں نے حضرت انسؓ سے کہ انہوں نے (حضرت انسؓ نے) فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔''

امام بیہقیؒ نے ابن عدیؒ کی اس روایت کو اپنی سند سے اس طرح نقل کیا ہے:

أخبرنا أبو سعد أحمد بن محمد بن الخليل الصوفي قال

---

(۹۷) الكامل لابن عدي ج: ۳، ص: ۱۷۳، ترجمة الحسن بن قتيبث المدائني، رقم الترجمة: ۴۶۰، ط: دار الكتب العلمية-بيروت، وذكره ابن حجرؒ في لسان الميزان ج: ۲، ص: ۲۴۶۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

أنبأأبو أحمدعبدالله بن عدي الحافظ قال ثناقسطنطين بن عبدالله الرومي قال حدثناالحسن بن عرفةقال حدثني الحسن بن قتيبةثنا المستلم بن سعيدالثقفي عن الحجاج بن الأسود عن ثابت البناني عن أنسؓ قال:قال رسول الله-ﷺ-:الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون. (۹۸)

حافظ کبیر ابن نجارؒ (ابوعبداللہ محمد بن محمود) متوفی ۶۴۳ھ اپنی سند سے امام ابن عدیؒ کی روایتِ بالا امام بیہقیؒ کے واسطے سے اس طرح نقل کرتے ہیں:

"أخبرني عبدالرحمن بن ابراهيم بدمشق أنبأ أبو منصور الفضل بن الحسن بن اسماعيل الطبراني الصوفي ببغداد أنبأأبوبكر محمد بن علي بن ياسر الأنصاري أنبأ أبو سعدهبةالله بن القاسم بن عطاء المهراني أنبأأبوبكر أحمد بن الحسين البيهقي أنبأ أبو سعدأحمد بن محمد بن الخليل الصوفي أنبأأبو أحمد عبدالله بن عدي الحافظ حدثناقسطنطين بن عبدالله الرومي ثناالحسن بن عرفة حدثني الحسن بن قتيبة المدائني ثناالمستلم بن سعيد الثقفي عن الحجاج بن الأسود عن ثابت البناني عن أنس بن مالكؓ قال:قال رسول الله-ﷺ-:الأنبياء

(۹۸)حياة الأنبياء في قبورهم للبيهقيؒ ص:۳، رقم الحديث : ۱۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

أحياء في قبورهم يصلون."(۹۹)

حافظ ابن عدیؒ کی اس روایت میں شروع کے دو راوی سے آگے کی سند بعینہٖ مسند بزار کی سابقہ روایت کی سند ہے اور اس پر کلام ہو چکا ہے اور شروع کے دو راویوں کے حالات یہ ہیں:

قسطنطین بن عبداللہ الرومی:

خطیب بغدادیؒ (ابوبکر احمد بن علی) متوفی ۴۶۳ھ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"قسطنطين بن عبدالله-أبو الحسن-مولى المعتمد على الله-كان بسرّمن رأى وحدث عن أبي بكر وعثمان ابني أبي شيبة واسحاق بن الضيف والحسن بن عرفة روى عنه ابن عدي الجرجاني". (۱۰۰)

"قسطنطین بن عبداللہ ابوالحسن (کنیت ہے، خلیفہ) معتمد علی اللہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، سرمن رأی میں رہتے تھے، ابوبکر بن ابی شیبہ، عثمان بن ابی شیبہ، اسحاق بن الضیف اور حسن بن عرفہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابن عدی جرجانی نے روایت کی ہے"۔

---

(۹۹) ذیل تاریخ بغداد للامام ابن النجارؒ ج:۵، ص:۱۵۷، ترجمة شيخ الشيوخ أبي منصور الفضل بن الحسن بن اسماعيل الطبراني الصوفي، رقم الترجمة:۱۳۳۴، ط: دار الكتب العلمية- بيروت.

(۱۰۰) تاریخ بغداد للخطیبؒ ج:۱۴، ص:۵۰۰، رقم الترجمة:۶۹۰۲، ط: دار الغرب الاسلامي -بيروت۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

امام شمس الدین ذہبیؒ لکھتے ہیں:

"قسطنطين الرومي-مولى المعتمد-عن هشام بن عمار وأبي بكر وعثمان ابني أبي شيبة وغيرهم، تفرد عنه ابن عدي."(۱۰۱)

"قسطنطین الرومی (خلیفہ) معتمد کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ ہشام بن عمار، ابوبکر بن ابی شیبہ اور عثمان بن ابی شیبہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے صرف ابن عدیؒ نے روایت کی ہے۔"

خطیب بغدادیؒ اور امام ذہبیؒ نے مثبت حالات ذکر کیے جیسا کہ ظاہر ہے اور کتب تراجم میں کسی راوی پر جرح سے سکوت کی صورت میں راوی کا ثقہ ہونا پہلے حوالوں کے ساتھ گزر چکا ہے، لہٰذا یہ ثقہ ہیں۔

الحسن بن عرفہ:

امام ترمذیؒ نے ان سے بہت سی روایات اپنی "سنن" میں لی ہیں، سنن ابن ماجہ میں بھی ان سے کئی روایات ہیں۔ امام نسائیؒ کی "عمل الیوم واللیلۃ" میں بھی ان کی روایت موجود ہے۔ امام ذہبیؒ ان کے حالات میں لکھتے ہیں:

"الحسن بن عرفة بن يزيد الامام المحدث الثقة مسند وقته أبو علي العبدي البغدادي المؤدب."(۱۰۲)

---

(۱۰۱) تاریخ الاسلام للامام الذهبيؒ ج:۷، ص: ۱۹۱، الطبقة الحادية والثلاثون، رقم الترجمة: ۶۰۴، ط: دار الغرب الاسلامي-بيروت۔

(۱۰۲) سير اعلام النبلاء، ج: ۱۱، ص: ۵۴۷، ط: مؤسسة الرسالة-بيروت

telegram : t.me/pasbanehaq1

''حسن بن عرفہ بن یزید، امام ہیں، محدث ہیں، ثقہ ہیں۔ اپنے وقت کے مرجع علمائے حدیث ہیں۔ ابوعلی (کنیت ہے) عبدی، بغدادی ہیں، استاد ہیں۔''

تہذیب الکمال میں ان کے شیوخ وتلامذہ کی لمبی فہرست ہے، جس سے ان کا حدیث سے شغف اور مرجع محدثین ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

سو اس سند میں بھی حسن بن قتیبہ کے علاوہ متکلم فیہ راوی کوئی نہیں ہے۔ اور یحیی بن بکیر کی روایاتِ سابقہ (تین الگ الگ سندوں سے) حسن بن قتیبہ سے خطا اور مخالفت کا احتمال ختم کر دیتی ہیں، اس لیے یہ سند بھی بالکل درست ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

۳:.....امام تمام رازیؒ کی روایت

Telegram : t.me/pasbanehaq1

(۳) امام تمام رازیؒ کی روایت:

امام تمام دمشقیؒ (ابوالقاسم تمام بن محمد) متوفی ۴۱۴ھ روایت کرتے ہیں:

"أخبرنا أبو القاسم الحسن بن علي بن وثاق النصيبي قراءةً عليه سنة أربع وأربعين وثلاث مائة ثنا عبدالله بن محمد بن ناجية البغدادي أنبأ أحمد بن عبدالرحمن الحراني ثنا الحسن بن قتيبة ثنا المستنير بن سعيد عن حجاج بن الأسود عن ثابت عن أنسؓ قال: قال النبي -ﷺ-: الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون." (۱۰۳)

"۳۴۴ھ میں ہمیں ابوالقاسم حسن بن علی بن وثاق نصیبی نے حدیث بیان کی اس حال میں کہ وہ ان کے سامنے پڑھی جارہی تھی، فرمایا: ہمیں عبداللہ بن محمد بن ناجیہ بغدادی نے حدیث بیان کی، فرمایا: ہمیں احمد بن عبدالرحمٰن حرانی نے حدیث بیان کی، فرمایا: ہمیں حسن بن قتیبہ نے حدیث بیان کی، فرمایا: ہمیں مستنیر بن سعید نے حدیث بیان کی، حجاج بن الاسود سے، انہوں نے ثابت سے، انہوں نے حضرت انسؓ سے، انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں۔"

---

(۱۰۳) الفوائد للامام تمام بن محمد البجلي الرازي ثم الدمشقي ص: ۳۳، رقم الحديث: ۵۸، ط: مكتبة الرشد - الرياض۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

حافظ ابن عساکرؒ (ابو القاسم علی بن الحسن) متوفی ۵۷۱ھ حافظ تمام دمشقیؒ کی یہ روایت اپنی سند سے اس طرح نقل کرتے ہیں:

"أخبرنا أبو محمد عبدالكريم بن حمزة نا عبدالعزيز بن أحمد أنا تمام أنا أبو القاسم الحسن بن علي بن وثاق النصيبي قراءةً عليه سنة أربع وأربعين وثلاث مائة نا عبدالله بن محمد بن ناجية البغدادي نا أحمد بن عبدالرحمن الحراني نا الحسن بن قتيبة نا المستير بن سعيد عن حجاج بن الأسود عن ثابت عن أنسؓ: قال: قال النبي -ﷺ-: الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون." (۱۰۴)

تمام دمشقیؒ کی اس روایت میں شروع کے تین راویوں سے آگے بعینہٖ مسندِ بزار اور کامل ابن عدی کی سند ہے۔ البتہ یہاں مستلم بن سعید کی بجائے مستعیر بن سعید آیا ہے، جو کہ واضح وہم ہے جیسا کہ سابقہ تمام اسانید سے ظاہر ہے، اس لیے صحیح یہ ہے کہ یہ راوی مستلم بن سعید ہیں۔

اور آگے کے اس حصہ پر کلام گزر چکا ہے اور شروع کے تین راویوں کے حالات اس طرح ہیں:

ابو القاسم الحسن بن علی:

(۱۰۴) تاریخ مدینة دمشق للحافظ ابن عساکرؒ، ج:۱۳، ص:۳۲۵-۳۲۴ ط: دار الفکر-بیروت۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

امام شمس الدین ذہبیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"الحسن بن علي بن الوثاق أبو القاسم النصيبي الحافظ. رحل وسمع أباخليفة الجمحي وجعفر بن محمد الفريابي وأبايعلى وعنه ابن منده وتمام الرازي." (۱۰۵)

"حسن بن علی بن وثاق، ابوالقاسم (کنیت ہے) نصیبی، حافظِ (حدیث)۔ (حدیث کے لیے) دور دراز کا سفر کیا۔ ابوخلیفہ جمحی، جعفر بن محمد فریابی اور ابویعلی سے حدیثیں سنیں اور ان سے ابن مندہ اور تمام رازی نے روایت کی۔"

حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں:

"الحسن بن علي بن وثاق بن الصلت بن أبان بن زريق بن ابراهيم بن عبدالله أبو القاسم النصيبي الحافظ قدم دمشق وحدث بها في سنة أربع وأربعين وثلاث مائة عن عبدالله بن محمد بن ناجية البغدادي الموصلي... وأبي يعلى الموصلي... ومحمد بن اسحاق بن خزيمة... وغيرهم روى عنه تمام بن محمد... وأبوعبد الله بن منده وأبوعلي سعيد بن عثمان بن السكن الحافظ." (۱۰۶)

---

(۱۰۵) تاریخ الاسلام للذهبیؒ ج:۷، ص:۹۰۷، الطبقة الخامسة والثلاثون، رقم الترجمة منها ۴۴۲ ط: دار الغرب الاسلامي-بیروت۔

(۱۰۶) تاریخ مدینة دمشق ج:۱۳، ص:۳۲۵، ط: دار الفکر۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

''حسن بن علی بن وثاق بن صلت بن ابان بن زریق بن ابراہیم بن عبداللہ۔ ابوالقاسم (کنیت ہے)، نصیبی، حافظِ (حدیث) ہیں دمشق آئے اور ۳۴۴ھ میں وہاں عبداللہ بن محمد بن ناجیہ بغدادی ۔۔۔، ابویعلی موصلی ۔۔۔، اور محمد بن اسحاق بن خزیمہ ۔۔۔ وغیرہ سے حدیثیں بیان کیں۔ ان سے تمام بن محمد ۔۔۔ ابوعبداللہ ابن مندہ اور ابوعلی سعید بن عثمان بن السکن حافظ (حدیث) نے حدیثیں روایت کی ہیں۔''

عبداللہ بن محمد بن ناجیہ:

امام شمس الدین ذہبیؒ ان کے بارے میں کہتے ہیں:

''الامام الحافظ الصادق أبو محمد عبدالله بن محمد بن ناجية بن نجبة البربري ثم البغدادي حدث عنه ... خلق كثير وكان اماماً حجة بصيراً بهذا الشان.''(۱۰۷)

''امام، حافظ، صادق، ابومحمد (کنیت والے) عبداللہ بن محمد بن ناجیہ بن نجبہ بربری پھر بغدادی۔ ان سے بڑی تعداد لوگوں نے روایت کی۔ یہ امام تھے، حجت تھے، اس (فن حدیث) میں بصیرت والے تھے۔''

ایک مقام پر فرمایا:

''وكان ثقة ثبتاً عارفاً ممتعاً باحدى عينيه.''(۱۰۸)

---

(۱۰۷) سیر أعلام النبلاء ج:۱۴، ص:۱۶۴، ط: مؤسسة الرسالة.

(۱۰۸) تاریخ الاسلام للذہبیؒ، ج:۷، ص:۳۶، الطبقة الحادية والثلاثون، رقم الترجمة منها ۳۷، ط: دار الغرب الاسلامي-بيروت۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

''یہ ثقہ تھے، ثبت (متقن) تھے، (فن حدیث) کے شناور تھے اور اپنی ایک آنکھ سے خوب فائدہ اٹھانے والے تھے (جب کہ دوسری آنکھ خراب تھی)۔''

احمد بن عبدالرحمٰن الحرانی:

ان کے بارے میں خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں:

''احمدبن عبدالرحمن بن المفضل بن سیار أبوبکر مولی بنی امیة ویعرف بالکزبرانی من أهل حران، قدم بغدادوحدث بها... وماعلمت من حاله الاخیراً.'' (۱۰۹)

''احمد بن عبدالرحمٰن بن مفضل بن سیار، ابوبکر (کنیت ہے)، بنوامیہ کے آزاد کردہ ہیں، کزبرانی سے مشہور ہیں، حران کے رہنے والے تھے۔ بغداد آئے وہاں حدیثیں بیان کیں (آگے فرمایا) مجھے ان کے بارے میں اچھائی کے سوا کچھ معلوم نہیں۔''

حسن بن قتیبہ کی سند سے یہ تین روایات ایسی ہیں کہ مستلم بن سعید سے لے کر اوپر کی پوری سند ابتداءِ مضمون میں مذکور تین اسانیدِ صحیحہ کی ہے اور ان تین روایات میں مستلم سے روایت کرنے والے حسن بن قتیبہ ہیں اور شروع کی تین روایات میں یحیی بن ابی بکیر ہیں تو مستلم سے روایت کرنے والے ان کے یہ دو شاگرد ہیں اور حسن بن قتیبہ کی ان تین اسانید کے بھی سارے رجال ثقہ ہیں، صرف حسن میں خطافی الحدیث اور مخالفتِ ثقات کی

(۱۰۹) تاریخ بغداد للخطیبؒ ج:۵، ص:۴۰۲، رقم الترجمة:۲۲۳۷، تاریخ الذهبی ج:۶، ص:۲۷۴، طبقة:۷۲۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

بات ہے، جس کے عدم کے ثبوت کی صورت میں یہ بھی ثقہ ثابت ہوں گے، چنانچہ ابن حبان نے خطا کی کمزوری اور مخالفتِ ثقات کا مسئلہ اٹھانے کے باوجود ان کو اپنی ضعیف راویوں کے بارے میں کتاب "المجروحین" میں نہیں (کما هو ظاهر من النسخة المطبوعة) بلکہ ثقہ لوگوں کے حالات پر مشتمل اپنی دوسری تصنیف "کتاب الثقات" میں ذکر کیا کہ موافقتِ ثقات اور متابعتِ ہم سبق کی صورت میں یہ ثقہ ہی شمار ہوں گے تو بطور مشروط ثقہ ان کو ثقات میں ذکر کیا۔

اور زیرِ بحث حدیث میں یحیی بن ابی بکیر کی ابویعلی، ابونعیم اور حافظ عبدالغنی بن سعید کی اسانید صحیحہ سے ثابت روایات سے ثابت ہو گیا کہ مستلم بن سعید سے حسن بن قتیبہ نے یہ روایت بالکل صحیح یاد رکھی، ان کے ہم سبق اور مستلم کے دوسرے ثقہ شاگرد یحیی بن ابی بکیر نے ان کی روایت کی موافقت کر کے تصدیق کر دی کہ حسن بن قتیبہ نے یہ حدیث مستلم سے روایت کرنے میں کوئی خطا نہیں کی، نہ ثقات کی مخالفت کی، بلکہ اس روایت کو نقل کرنے میں ثقات نے ان کی موافقت اور انہوں نے ثقات کی موافقت کی، اس لیے حسن بن قتیبہ کی یہ تینوں روایات صحیح لغیرہ ہیں۔

البتہ بحث کے شروع میں مذکور یحیی بن ابی بکیر کی تینوں روایات صحیح لذاتہ ولعینہ ہیں کہ ان کی اسانید میں کوئی متکلم فیہ راوی موجود نہیں، بلکہ سارے ہی رجال عالی رتبہ ثقہ ہیں۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

۴:.....امام بزارؒ

کی روایت

Telegram : t.me/pasbanehaq1

(۴) امام بزارؒ کی روایت:

"حدثنا محمد بن عبدالرحمن بن المفضل الحراني حدثنا الحسن بن قتيبة المدائني حدثنا حماد بن سلمة عن عبدالعزيز عن أنسؓ قال :قال رسول الله-ﷺ-: الأنبياء أحياء يصلون في قبورهم."(۱۱۰)

"محمد بن عبدالرحمٰن بن مفضل حرانی نے ہمیں حدیث سنائی وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حسن بن قتیبہ مدائنی نے حدیث سنائی وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حماد بن سلمہ نے حدیث سنائی عبدالعزیز سے انہوں نے انسؓ سے کہ (انسؓ نے) فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں، اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔"

رجالِ سند:

اس سند میں پہلے راوی کا نام محمد بن عبدالرحمٰن بن المفضل حرانی آیا ہے، جو کہ وہم ہے، یہ احمد بن عبدالرحمٰن بن مفضل حرانی ہیں جیسا کہ تمام رازی کی روایت میں گزرا کہ حسن بن قتیبہ سے روایت کرنے والے یہی احمد بن عبدالرحمٰن حرانی راوی ہیں، نہ کہ محمد بن عبدالرحمٰن حرانی اور یہاں بھی یہ حسن بن قتیبہ سے روایت کر رہے ہیں، پھر والد اور دادا کے

(۱۱۰) مسند البزار ج:۱۳، ص:۶۲، رقم الحديث: ۶۳۹۱، وذكره نور الدين علي الهيثمي في كشف الأستار عن زوائد البزار ج:۳، ص:۱۰۰، ط:مؤسسة الرسالة- بيروت. وكذا ابن حجرؒ في المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية، ج:۱۴، ص:۲۲۶، رقم الحديث ۳۴۴۶، ط:دار العاصمة -السعودية-

Telegram : t.me/pasbanehaq1

نام، نیز نسبت (حرانی) سے بھی واضح ہے کہ یہ محمد بن عبدالرحمٰن نہیں، بلکہ احمد بن عبدالرحمٰن ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے بھی "المطالب العاليه" میں احمد بن عبدالرحمٰن کے الفاظ کے ساتھ یہ سند ذکر کی ہے، سوان کے بارے میں "وما علمت من حاله الاخيراً" کہہ کر خطیبؒ ان کی توثیق کر چکے، اگر صرف ان کے حالات ہی ذکر ہوتے اور تعدیل کے یہ الفاظ مذکور نہ ہوتے تب بھی ثبوتِ جرح نہ ہونے کی بناء پر یہ ثقہ ہی قرار پاتے۔ اب جب کہ مذکورہ الفاظ ذکر کیے گئے تو ان کا ثقہ ہونا بے غبار اور صراحت کے ساتھ ثابت ہو گیا۔

الحسن بن قتیبہ:

ان کے حالات گزر چکے ہیں کہ یہ فی خطأ وموافقتِ ثقات کی شرط سے مشروط ثقہ ہیں۔

حماد بن سلمہ:

یہ صحیحین سمیت صحاح ستہ کی تمام کتابوں کے راوی ہیں، اس لیے ثقہ ہونا ظاہر ہے، امام شمس الدین ذہبیؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں:

"حماد بن سلمة بن دينار الامام القدوة شيخ الاسلام أبو سلمة البصري." (111)

"حماد بن سلمہ بن دینار، امام ہیں، مقتدا ہیں، شیخ الاسلام ہیں۔ ابو سلمہ (کنیت ہے) بصرہ کے رہنے والے ہیں۔"

عبدالعزیز:

تہذیب الکمال میں حماد بن سلمہ کے شیوخ کی فہرست میں ان کا نام عبدالعزیز

---

(111) سير أعلام النبلاء للامام شمس الدين الذهبيؒ، ج:، ص: ۴۴۴، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

بن صہیب آیا ہے، سوان کے بارے میں امام ذہبیؒ لکھتے ہیں:

"عبدالعزیز بن صهیب البناني مولاهم البصري الأعمی. عن أنس... وعنه .. الحمادان... وثقه أحمد بن حنبل." (۱۱۲)

"عبدالعزیز بن صہیب بنانی، ان کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ بصرہ کے رہنے والے نابینا تھے۔ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں۔۔۔ امام احمد بن حنبلؒ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔"

سو اس سند کے بھی سارے راوی ثقہ ہیں، البتہ حماد بن سلمہ سے روایت کرنے میں حسن بن قتیبہ مدائنی متفرد ہیں۔ حماد کے کسی دوسرے شاگرد سے یہ روایت نہیں ملتی، مگر اسانیدِ صحیحہ سے یہ حدیث سنداً ومتناً ثابت ہونے کے بعد حسن بن قتیبہ سے خطا یا مخالفتِ ثقات کا احتمال ختم ہو جاتا ہے، اس لیے یہ روایت بھی صحیح لغیرہ ہے۔

امام بیہقیؒ کا ایک وہم جس کا اتباع تاہنوز جاری ہے:

واضح رہے کہ یہ وہ روایت ہے جس کے بارے میں امام بزارؒ نے فرمایا کہ یہ غرائب حسن قتیبہ میں سے ہے اور اس کی کوئی متابع سند بھی نہیں ہے۔ چنانچہ امام ابوبکر بزارؒ نے یہ روایت ذکر کر کے فرمایا:

"وهذا الحدیث لانعلم أحداً تابع الحسن بن قتیبة علی روایته عن حماد وانما یروي عن أنسؓ من حدیث ثابت وغیره أن النبي -ﷺ- قال: رأیت موسی یصلي في

(۱۱۲) تاریخ الاسلام للذهبيؒ، ج:۳، ص:۴۵۵، الطبقة الثالثة عشرة، رقم الترجمة ۲۰۹، ط: دار الغرب الاسلامي - بیروت۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

قبره۔"(۱۱۳)

"اس حدیث کے بارے میں ہمیں کوئی ایک شخص بھی معلوم نہیں کہ جس نے حماد سے یہ روایت نقل کرنے میں حسن بن قتیبہ کی متابعت کی ہو بلکہ حماد نے تو حضرت انسؓ سے بواسطۂ ثابتؒ وغیرہ یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔"

اور واقعی حماد سے یہ روایت نقل کرنے میں حسن بن قتیبہ مدائنی تنہا ہیں، جیسا کہ ابھی گزرا، اس لیے امام بزارؒ کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ یہ حدیث حماد سے روایت کرنے میں حسن بن قتیبہ کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں، اس لیے یہ غرائب حسن میں سے ہے۔

امام بیہقیؒ نے بظاہر محض مغالطے میں مستلم سے یہ روایت نقل کرنے میں حسن بن قتیبہ کو متفرد قرار دے دیا، چنانچہ سابق میں مذکور حسن بن قتیبہ کی مستلم بن سعید سے یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا:

"هذا يعد في أفراد الحسن بن قتيبة."(۱۱۴)

"اس (روایت) کو حسن بن قتیبہ مدائنی کے افراد (غرائب) میں شمار کیا جاتا ہے۔"

امام تاج الدین ابن السبکیؒ متوفی ۷۷۱ھ نے ذرا وضاحت کر کے بظاہر امام بیہقیؒ کے قولِ مذکور کے پیشِ نظر اس دعوائے غرابت کو اس طرح بیان کیا ہے:

"ولقد روى الحسن بن قتيبة المدائني وعد ذلك في

---

(۱۱۳) مسند البزار ج:۱۳، ص:۶۲، رقم الحديث: ۶۳۹۱.

(۱۱۴) جزء حيات الأنبياء في قبورهم للبيهقي ص:۳، رقم الحديث: ۱۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

أفراده عن المستلم بن سعيد الثقفي عن الحجاج بن الأسود عن ثابت البناني عن أنس ؓ."(۱۱۵)

"اور حسن بن قتیبہ مدائنی نے حدیث روایت کی ہے جو کہ ان کے غرائب میں شمار کی گئی ہے مستلم بن سعید ثقفی سے، انہوں نے حجاج بن اسود سے، انہوں نے ثابت بنانی سے اور انہوں نے انس ؓ سے" (آگے زیر بحث حدیث ذکر کی)۔

امام بیہقیؒ اور علامہ سبکیؒ نے مستلم سے حسن کی روایتِ حدیثِ مذکور کو غرائب میں شمار کیے جانے کا ذکر صیغۂ مجہول کے ساتھ کیا ہے جب کہ اس کا قائل اب تک کوئی نہ ملا، جس سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ دراصل امام بزارؒ نے حسن بن قتیبہ کی حماد سے اس حدیث کی روایت کو جو غریب کہا ہے امام بیہقیؒ نے اپنے حافظے سے اسی کو حسن بن قتیبہ کی (حماد کی روایت کی بجائے) مستلم سے بیان کردہ روایت کے ساتھ لگا دیا ہے اور اس مغالطے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حسن بن قتیبہ کی سند پر امام بزارؒ کا کلام مذکور امام بیہقیؒ کو یاد ہونے کے باوجود یہ آپ کے ذہن میں نہیں رہا تھا کہ یہ حماد سے ابن قتیبہ کی روایت کے بارے میں ہے، مستلم سے بیان کردہ روایت کے بارے میں نہیں اور علامہ سبکیؒ وغیرہ بعد میں امام بیہقیؒ ہی کے اس مغالطے پر مبنی کلام کو لے کر یہ کہنے لگے کہ ہاں مستلم سے روایت کرنے میں ابن قتیبہ متفرد ہیں۔

دراصل ابن قتیبہ کی اسانید سے زیرِ بحث حدیث کو روایت کرنے والے محدثین متقدمین میں سے تحقیقِ علل احادیث میں منفرد مقام کے حامل امام ابوبکر بزارؒ نے ہی ابن قتیبہ کی زیرِ بحث حدیث کی اسانید پر کلام کیا ہے اور فیصلہ کن کلام کیا ہے جو کہ تتبعِ اسانید سے

(۱۱۵) طبقات الشافعية الكبرىٰ ج:۳، ص:۴۱۱۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ حماد سے ابن قتیبہ کی روایت کے بارے میں ابھی امام بزارؒ کا تبصرہ گزرا کہ ابن قتیبہ حماد سے یہ روایت کرنے میں متفرد ہیں اور واقعی دنیائے روایات میں اس کی متابع سند نہیں ملتی جب کہ مستلم سے ابن قتیبہ کی روایت (جو کہ رزق اللہ بن موسیٰ کی سند سے بزار کے حوالے سے پہلے گزر چکی ہے) کے بارے میں امام بزارؒ کی تحقیق جو کہ حرفِ اخیر ہے وہ یہ ہے:

"وهذا الحديث لانعلمه رواه عن ثابت عن أنسؓ الا الحجاج ولا عن الحجاج الا المستلم بن سعيد ولانعلم رواه عن ثابت الا هذا الحديث."(۱۱۶)

"ہمارے علم کے مطابق یہ حدیث ثابت کے واسطے سے انسؓ سے کسی نے روایت نہیں کی سوائے حجاج کے اور نہ حجاج سے (کسی نے روایت کی) سوائے مستلم بن سعید کے، اور ہمارے علم کے مطابق حجاج نے ثابت سے کوئی حدیث روایت نہیں کی سوائے اس حدیث کے۔"

اس عبارت میں امام بزارؒ، مستلم بن سعید کو مدار تفرد کہہ رہے ہیں کہ حجاج الاسود سے اس کو روایت کرنے والے ان کے ایک ہی شاگرد ہیں اور وہ مستلم بن سعید ہیں، یہیں سے تفرد شروع ہو کر اوپر کی طرف گیا ہے۔ البتہ مستلم سے روایت کرنے والے چونکہ ابن قتیبہ بھی ہیں اور یحییٰ ابن ابی بکیر بھی، اس لیے اس میں تفرد نہیں تھا تو امام بزارؒ نے بھی سلسلہ تفرد کو مستلم پر ختم قرار دیا۔ عللِ حدیث کے نامور امام حافظ دارقطنیؒ کی عبارت پہلے ذکر ہو چکی ہے کہ وہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ مستلم کے غرائب میں سے ہے، ابن قتیبہ کے

---

(۱۱۶) مسند البزار، ج:۱۳، ص:۲۹۹، تحت رقم الحديث:۶۸۸۸، و كذا نقله ابن حجرؒ في مطالب العالية ج:۴، ص:۲۲۶، والهيثمي في كشف الأستار ج:۳، ص:۱۰۱۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

نہیں۔ دوبارہ ملاحظہ فرمائیے:

"الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون. الحديث تفرد به المستلم بن سعيد عن الحجاج الأسود عن ثابت." (۱۱۷)

"حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔ یہ حدیث بواسطۂ حجاج، ثابت سے روایت کرنے میں مستلم بن سعید متفرد ہیں۔"

ائمہ حدیث و ماہرینِ علل کی ان متفقہ واضح تصریحات کے بعد کیسے ہوسکتا ہے کہ محدثین میں سے کوئی مستلم سے ابن قتیبہ کی روایت کو تفردِ ابن قتیبہ کہے؟ جب کہ حفاظ کبار بیک زبان صرف حماد سے ابن قتیبہ کی روایت کو تفردِ ابن قتیبہ کہہ رہے ہیں۔ (۱۱۸)

---

(۱۱۷) اطراف الغرائب و أفراد ج: ۲، ص: ۳۲-۳۱۔

(۱۱۸) شیخ البانی صاحب کو نہ امام بزارؒ کا کلام سمجھ میں آیا نہ "بیہقیؒ" کا۔ چنانچہ دونوں کے کلام میں تفرد ابن قتیبہ کا ذکر ہونے کا دعوی کر بیٹھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"وقال البيهقي تبعاً للبزار: يعد في أفراد الحسن بن قتيبة." (سلسلة الأحاديث الصحيحة ج: ۲، ص: ۱۸۷)

"امام بیہقی نے بزارؒ کی اتباع (اور موافقت) کرتے ہوئے کہا یہ روایت (ابن قتیبہ کی مستلم سے) حسن بن قتیبہ کی 'افراد' میں شمار ہوتی ہے۔"

جب کہ امام بزارؒ تو اس کو مستلم کی افراد میں شمار کرتے ہیں جیسا کہ گزرا۔ اور البانی صاحب نے بزار کے حوالے میں '۲۵۶' کے ہندسے لکھ دیئے جو بظاہر قلمی نسخے کا حوالہ ہے اور یہ ائمہ پر غلط سلط ٹھونسنے اور اس پر پردہ ڈالنے کا بہترین (یا بدترین کہیے) ذریعہ ہے۔ مسند بزار چھپی ہوئی ہے، زوائد بزار اور زوائد مسانید کی کتابوں میں امام بزارؒ کا قول محفوظ ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ لہٰذا "بیہقیؒ" کا قول یقیناً مغالطے پر مبنی ہے، البتہ امام بزارؒ کا قول محققانہ اور مطابق واقع حقیقت ہے اور دونوں کی باتوں میں واضح فرق ہے۔ دونوں نے ایک ہی بات نہیں کہی کہ اتباع یا موافقت متحقق ہوسکے۔ (جاری ہے)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

.....

(بقیہ حاشیہ) شیخ البانی صاحب تو یہاں پر بزازی واضح عبارت بھی سمجھ نہ سکے اور دعوی یہ کرنے لگے کہ وہ ایسا علم پیش کرتے ہیں جو بیہقیؒ کے پاس بھی نہ تھا۔ سنیے:

"وقد كنت برهة من الدهر أرى أن هذا الحديث ضعيف لظني أنه مما تفرد به ابن قتيبة كما قال البيهقيؒ ولم أكن قد وقفت عليه في مسند أبي يعلى وأخبار أصبهان فلما وقفت على اسناده فيهما تبين لي أنه اسناد قوي وأن التفرد المذكور غير صحيح". (سلسلة الأحاديث الصحيحة ج:۲، ص:۱۹۰)

''ایک عرصے تک میرا یہ خیال تھا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس لیے کہ میرا گمان یہ تھا کہ ابن قتیبہ اس کو روایت کرنے میں متفرد ہیں جیسا کہ امام بیہقیؒ نے فرمایا اور اس وقت تک مسند ابی یعلی اور اخبار اصبہان میں مجھے یہ روایت نہیں ملی تھی۔ جب ان دونوں کتابوں میں اس کی سند ملی تو میرے سامنے واضح ہوا کہ اس کی سند قوی ہے اور جس تفرد کا ذکر کیا جاتا ہے وہ درست نہیں ہے۔''

راقم الحروف یہاں امام بیہقیؒ کا محولہ بالا کلام نقل کر دیتا ہے، تاکہ شیخ البانی کے کلامِ مذکور کے بین السطور میں پنہاں سچ اور جھوٹ کا تعین قارئین خود کر لیں۔ امام بیہقیؒ لکھتے ہیں:

"هذا يعد في أفراد الحسن بن قتيبة المدائني وقد روى عن يحيى بن أبي بكير عن المستلم بن سعيد عن الحجاج عن ثابت عن أنس بن مالكؓ وهو فيما أخبرنا الثقة من أهل العلم قال: أنبأ أبو عمرو بن حمدان قال: أنبأ أبو يعلى الموصلي الخ". (جزء حياة الأنبياء في قبورهم للبيهقيؒ ص:۳ برقم الحديث: ۲۰۱)

''اس روایت کو غرائب حسن بن قتیبہ مدائنی میں شمار کیا جاتا ہے، مگر (حقیقت یہ ہے کہ) یحیی بن ابی بکیر عن المستلم بن سعید عن حجاج عن ثابت عن انس بن مالکؓ کی سند سے بھی اس کو روایت کیا گیا ہے اور وہ (سند) یہ ہے کہ ہمیں ثقہ اہل علم نے حدیث سنائی وہ فرماتے ہیں کہ ابو عمرو بن حمدان نے حدیث بیان کی وہ فرماتے ہیں کہ ابو یعلی موصلی نے حدیث بیان کی (آگے ابو یعلی کی سند سے یہ روایت نقل کی)۔'' (جاری ہے)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

.....

(بقیہ حاشیہ) اس عبارت میں امام بیہقیؒ نے مسلم سے ابن قتیبہ کی روایت کو تفرد ابن قتیبہ میں شمار کیے جانے کا ذکر کرنے کے بعد ابویعلیٰؒ کی سند سے یحیی بن ابوبکیر کی روایت ذکر کر کے روایتِ ابن قتیبہ کی متابعت ثابت کی۔ تو یہ امام بیہقیؒ کا دعوائے تفرد ہوا یا دلیلِ تفرد سے پہلے نقلِ تفرد؟ امام بیہقیؒ نے اس میں ابویعلی کی سند سے یحیی بن ابی بکیر کی متابعت ثابت کر کے تفرد ابن قتیبہ کو دور کیا یا البانی صاحب کے لیے یہ کام چھوڑ گئے؟ جب کہ بیہقیؒ کا کلام مسلسل اور ذکرِ تفرد و بیان متابعت باہم متصل ہیں، پھر بھی البانی صاحب کا دعوی کہ بیہقیؒ نے تفرد ذکر کیا، متابع کا علم ان کو نہیں تھا۔ خود البانی صاحب نے بھی امام بیہقیؒ کی طرف سے روایت ابویعلی کی تخریج کا ذکر کیا۔ (الصحیحة ج:۲، ص:۱۸۹)

مگر رسالہ حیاۃ الانبیاء کے حوالے کے بغیر۔ اور تفرد والی روایت میں حیاۃ الانبیاء کا حوالہ دیا، جو متابع کا علم صرف خود کو ہونے کا زعم ثابت کرنے کا بظاہر طریقۂ کار ہے۔ پھر جناب البانی صاحب نے جو ابن قتیبہ کی روایت کو اصل بنا کر اس کی متابع روایت ابویعلی اور روایتِ ابویعلی کی متابع روایت اخبار اصبہان کی کھچڑی پکائی ہے، وہ فن حدیث سے جناب کی دوری کا مظہر ہے۔ بغیر کسی متابع کے سہارے ہی ازرق کی روایات کو امام ہیثمیؒ، علامہ بوصیریؒ اور امام ابن حبانؒ وغیرہ اجلۂ محدثین صحیح کہہ چکے ہیں اور زیر بحث حدیث کے بارے میں ابویعلی کی سند کو مطلقاً صحیح قرار دینے والے محدثین محققین و اکابر علماً کی فہرست اس مضمون کے شروع میں حوالوں کے ساتھ ذکر کی جا چکی ہے۔ تو البانی صاحب نے زیرِ نظر روایت کی تصحیح بھی کی تو کیسی؟ ع

پھر بھی دعوی ہے کہ اصلاحِ دو عالم ہم سے ہے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''مشاہدۂ احوالِ برزخ'' کے سفر ''سفرِ معراج'' میں انبیاء علیہم السلام نماز پڑھتے نظر آئے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''مشاہدۂ احوال برزخ'' کے سفر ''سفرِ معراج'' میں انبیاء علیہم السلام نماز پڑھتے نظر آئے

مسند ابویعلی وغیرہ میں مذکور سابقہ حدیث میں قبروں میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے جو نماز پڑھنے کا ذکر آیا ہے، اس کی اصل صحیح مسلم اور سنن نسائی وغیرہ میں اس طرح ہے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے:

''عن أنس ؓ أن رسول الله -ﷺ- قال: أتيت وفي رواية هداب مررت على موسىٰ ليلة أسري بي عند الكثيب الأحمر وهو قائم يصلي في قبره.''(۱۱۹)

''حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس رات مجھے معراج کرائی گئی، میں سرخ ٹیلے کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، آپ (موسیٰ علیہ السلام) کھڑے ہو کر اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔''

یہ حدیث مسلم شریف کے علاوہ سنن نسائی برقم ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴،

(۱۱۹) الصحيح لمسلم رقم الحديث ۲۳۷۵ (في مجلد واحد مع شرح النووي) ص: ۱۴۵۲، ط: بيت الأفكار الدولية- الرياض۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

۱۶۳۵،التوحید لابن خزیمة، ص:۳۷۶-۳۷۵، صحیح ابن حبان برقم۴۹،۵۰، المصنف لابن ابی شیبة برقم ۳۷۷۳۰، المصنف لعبدالرزاق برقم ۶۷۲۷، مسند ابی یعلی برقم ۳۳۲۵،۴۰۸۴،۴۰۸۵،مسند احمد برقم ۱۲۲۱۰،۱۲۵۰۴،۱۳۵۹۳، مسند عبد بن حمید برقم ۱۲۰۵، شرح السنة للبغویؒ برقم ۳۷۶۰، دلائل النبوة للبیهقیؒ ج:۲،ص:۳۵۸،معانی الاخبار للکلاباذیؒ ص:۲۲۱، کتاب الزهد للامام احمدؒ ص:۷۴،حلیة الاولیاء ج:۶،ص:۲۵۳، مسند البزار برقم ۶۹۹۰، شرح مشکل الآثار برقم ۵۰۱۳،فوائد ابن ماسی برقم ۱۴،معجم ابن لاعرابی برقم ۲۲۰۲ میں حضرت انسؓ سے جب کہ سنن نسائی برقم ۱۶۳۶،۱۶۳۷، مسند احمد برقم ۲۰۵۹،۲۳۰۶۲،۲۳۰۹۴، مسند ابویعلی برقم ۴۰۶۷ میں بواسطۂ انسؓ بعض صحابہؓ سے (زبانِ نبوت سے بالواسطہ وبلاواسطہ دونوں طرح سننا عقلاً صحابیؓ کے لیے ممکن اور نقلاً ثابت ہے.(البحر المحیط الثجاج،شرح سنن النسائی ج:۱۷،ص:۳۵۷)اور مسند بزار برقم ۷۶۱۶،تاریخ مدینة دمشق لابن عساکر ج:۶۱،ص:۱۸۴،اخبار اصبهان ،تحت رقم الترجمة ۱۸۰۲ میں حضرت ابوہریرہؓ سے اور المعجم الکبیر للطبرانی برقم ۱۱۲۰۷، اخبار اصبهان ، تحت رقم الترجمة : ۱۲۴۱ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اور المعجم الأوسط للطبرانی برقم ۷۸۰۶ بروایتِ حضرت ابوسعید خدریؓ مروی ہے۔

امام ابن قیمؒ اس حدیث سے انبیاء علیہم السلام کی (قبروں میں) جسمانی حیات اور اس (حیاتِ جسمانی) کی بنا پر اپنی قبروں میں نماز پڑھنے اور سلام کرنے والوں کے سلام کا جواب دینے پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وقد صح عنه-ﷺ-أنه رأی موسیٰ-علیه السلام-

Telegram : t.me/pasbanehaq1

قائماً يصلي في قبره ليلة الاسراء ورآه في السماء السادسة أو السابعة فالروح كانت هناك ولها اتصال بالبدن واشراف عليه وتعلق به بحيث يصلي في قبره ويرد سلام من سلم عليه."(۱۲۰)

"آپ ﷺ سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا ہے اور ان کو چھٹے یا ساتویں آسمان میں بھی دیکھا ہے تو روح وہیں تھی اور اس کا اتصال جسم سے قائم تھا اور جسم پر اس کا اثر اور جسم سے اس کا تعلق موجود تھا اتنا (قوی تعلق) کہ آپ علیہ السلام اپنی قبر میں نماز بھی پڑھتے ہیں اور سلام کرنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔"

یعنی قبر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جسم کو اتصال بالروح کے ساتھ حیات حاصل ہے اور اس جسمانی حیات کی وجہ سے آپ ﷺ اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں، جس کا مشاہدہ آنحضرت ﷺ نے معراج کی مبارک رات اپنی آنکھوں سے کیا۔

امام ابوبکر کلاباذیؒ (محمد بن ابی اسحاق) متوفی ۳۸۴ھ قبر دار التکلیف نہ ہونے کے باوجود نماز کا عمل اس میں پائے جانے کی حقانیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"يجوز أن يكون قوله: "يصلي" على حقيقة الصلوٰة التي هي القيام والركوع والسجود لأنه بعد في الدنيا والدنيا دار تعبد لأن السماوات والأرض من الدنيا وانما ترتفع العبادات في الجنة."(۱۲۱)

---

(۱۲۰) الروح ص:۵۷۔

(۱۲۱) معاني الأخبار للكلاباذيؒ، ص:۲۲۳، ط:دار الكتب العلمية۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

''اس حدیث میں ''یصلی'' حقیقتاً نماز پڑھنے پر محمول ہونا ممکن ہے کہ جس میں قیام، رکوع اور سجدے ہوں اس لیے کہ آپ ﷺ ابھی دنیا ہی میں ہیں اور دنیا عبادات کا گھر ہے، کیوں کہ آسمان وزمین دنیا کا حصہ ہیں۔ عبادات تو جنت میں جانے کے بعد ختم ہوں گی۔''

مزید لکھتے ہیں:

''وقبره في الدنيا كما أن أهل القبور في الدنيا من جهة كونهم بأجسادهم فيما بيننا.''(۱۲۲)

''آپ ﷺ کی قبر دنیا میں ہے جیسے تمام اہلِ قبور اس لحاظ سے دنیا میں ہیں کہ ان کے اجسام ہمارے درمیان موجود ہیں۔''

علامہ صالحی شامیؒ فرماتے ہیں:

''انا نقول: ان المنقطع في الآخرة انما هو التكليف وقد تحصل الأعمال من غير تكليف على سبيل التلذذ بها والخضوع لله -تعالىٰ- ولهذا ورد أنهم يسجدون ويدعون ويقرؤون وانظر الى سجود النبي -ﷺ- وقت الشفاعة!، أليس ذلك عبادة عملاً؟''(۱۲۳)

''ہم (اہلِ سنت والجماعت) کہتے ہیں کہ آخرت میں جو عبادات ختم ہو جاتی ہیں وہ بطورِ مکلف ہونے (اور ذمہ داری عائد ہو کر وجوب کے ساتھ عبادت) ہے جب کہ مکلف ہوئے بغیر حصولِ لذتِ عبادت

(۱۲۲) المرجع السابق أيضا۔

(۱۲۳) سبل الهدىٰ والرشاد ج:۳، ص:۱۱۳، ط: دار الكتب العلمية-بيروت۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

واظہارِ عبودیت کے لیے کبھی ایسے اعمال (آخرت میں بھی) ہوتے ہیں اسی وجہ سے (نصوص) میں آیا ہے کہ لوگ (آخرت میں) اللہ کی پاکی بیان کریں گے، دعا کریں گے، قرآن پڑھیں گے، آپ شفاعت کے وقت رسول اللہ ﷺ کے سجدے میں غور کریں (جو احادیث صحیحہ میں آیا ہے)، کیا یہ عملی طور پر عبادت نہیں؟!!!'

اور "یصلي" اس حدیث میں "نماز پڑھ رہے تھے" کے معنی میں ہے اس لیے کہ "صلوٰۃ" کی حقیقتِ شرعیہ ہے (بغیر صلہ (علی) استعمال ہونے کی صورت میں جیسا کہ اس حدیث میں ہے) مجاز مراد لینے کا کوئی قرینہ صارفہ اس میں موجود نہیں، نہ ہی ضرورت ہے۔ قبر میں سورۂ ملک کی تلاوت کئے جانے کی تصدیق خود رسول اللہ ﷺ نے کی ہے۔ (ترمذی) قیامت کے روز قرآن سنانے اور ہر آیت کی تلاوت پر درجہ پڑھنے کی حدیث صحیح ابن حبان، المستدرک علی الصحیحین للحاکم، سنن ابن ماجه اور مسند احمد میں کئی صحیح اسانید سے مذکور ہے۔ ایسی نصوص کثیرہ کے پیشِ نظر محدث ابن رجب حنبلیؒ اور امام سیوطیؒ نے متفقہ طور پر فرمایا:

"قد یکرم الله بعض أهل البرزخ بأعمال صالحة في البرزخ." (۱۲۴)

"کبھی اللہ تعالیٰ بعض اہل برزخ کو برزخ میں نیک اعمال انجام دینے کے اعزاز سے نوازتے ہیں۔"

اور "برزخ" مرنے کے بعد سے روزِ حشر تک کا زمانہ ہے جو علی العموم قبر میں آنے والا زمانہ ہوتا ہے، الا یہ کہ قبر نصیب نہ ہو۔ اس لیے فی الجملہ مرنے کے بعد عبادت کرنا

(۱۲۴) أهوال القبور لابن رجبؒ وشرح الصدور للسیوطیؒ۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ثابت ہے۔اور نماز بھی عبادت ہے اہلِ قبور کے نماز پڑھنے میں کوئی مانع نہیں، بلکہ نص سے ثابت ہونے کے بعد مان لینا ہی تقاضائے ایمان ہے۔

محدث علامہ علی قاریؒ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

"ان الأنبیاء تکون حیاتهم علی الوجه الأکمل ... بحفظ أبدانهم الظاهرة بل التلذذ بالصلوة والقراءة ونحوهما في قبورهم الطاهرة الی قیام الساعة الآخرة وهذه المسائل کلها ذکرها السیوطي في کتاب شرح الصدور في أحوال القبور باالأخبار الصحیحة والآثار الصریحة."(۱۲۵)

"انبیاء علیہم السلام کی حیات نہایت کامل قسم کی ہوتی ہے۔۔۔یہاں تک کہ ان کے ظاہری اجسام تک محفوظ ہوتے ہیں، بلکہ نماز، تلاوت وغیرہ سے بھی وہ حضرات تا قیام قیامت اپنی پاکیزہ قبروں میں محفوظ ہوتے ہیں، یہ سب باتیں امام سیوطی نے اپنی کتاب 'شرح الصدور في احوال القبور' میں صحیح وصریح احادیث وآثار کے ساتھ ذکر کی ہیں۔"

نیز حدیث میں قیام کی حالت میں صلوٰۃ کا ذکر آیا ہے جو نماز مراد ہونے پر واضح تر قرینہ ہے اور خود آپ ﷺ نے اہل برزخ انبیاء علیہم السلام کی "صلوٰۃ" کی امامت جو کرائی وہ تو نا قابل تاویل اور بالاتفاق نماز پر محمول ہے، اس لیے زیرِ بحث حدیث میں تاویل کرنے سے بھی امامتِ انبیاء کی حدیث صحیح ہوتے ہوئے "قبر میں نماز" کی نفی نہیں ہوسکتی، پھر تاویل کیوں کی جائے؟ اس لیے نص شرعی میں مذکور "صلوٰۃ" سے "صلوٰۃ

(۱۲۵) مرقاۃ المفاتیح، ج:۳، ص:۲۳۸۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

شرعیہ" (نماز) مراد ہونا ہی بتقاضائے دین ودانش واضح ہے اور اسی کے پیشِ نظر شارحینِ حدیث اس حدیث سے حیاۃ الانبیاء کا اثبات کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قال الشيخ بدر الدين الصاحب في مؤلف له في حياة الأنبياء -عليهم السلام-: هذا صريح في اثبات الحياة لموسىٰ- عليه السلام-في قبره فانه وصف بالصلوة وانه قائم ومثل ذلك لايوصف به الروح وانما يوصف به الجسد وفي تخصيصه بالقبر دليل على هذا فانه لو كان من أوصاف الروح لم يحتج لتخصيصه. وقال الشيخ تقي الدين السبكيؒ في هذا الحديث : ان الصلوة تستدعي جسداً حياً."(۱۲۶)

"شیخ بدرالدین الصاحب نے اپنی حیات الانبیاء پر لکھی گئی ایک کتاب میں فرمایا: یہ (حدیث) قبر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات کے اثبات پر صریح (نص) ہے اس لیے کہ آپ ﷺ نے آپ (موسیٰ علیہ السلام) کے لیے وصف "صلوٰۃ" ذکر کیا اور یہ بھی کہ وہ کھڑے تھے اور ان اوصاف سے روح متصف نہیں ہوتی، ہاں جسم (ان اوصاف سے متصف) ہوتا ہے۔ اور اس (صلوٰۃ موسوی) کو قبر کے ساتھ مخصوص کرنے میں اس بات (حیاتِ جسمانی) کی دلیل موجود ہے، کیوں کہ یہ روح کے اعمال میں سے ہونے کی صورت میں اس (قبر کے ساتھ)

(۱۲۶) ذخيرة العقبىٰ في شرح المجتبىٰ، ج : ۱۷، ص: ۳۵۳، و زهر الربى شرح المجتبىٰ (وهو سنن النسائي الصغرىٰ) ج: ۳، ص: ۲۱۳۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

تخصیص کی ضرورت نہیں تھی اور شیخ تقی الدین السبکیؒ نے اس حدیث (کی شرح) میں فرمایا کہ نماز پڑھنا زندہ جسم کو مستلزم ہے۔"

سو اس حدیث کی رو سے انبیاء علیہم السلام کی اپنی قبروں میں حیات کا جسمانی ہونا نیز قبروں میں ان کی نماز کا جسم کے اشتراک واحساس کے ساتھ ہونا ثابت ہوتا ہے جس کو شبِ معراج میں آپ ﷺ نے حقیقت کے رنگ میں دیکھا۔ اس لحاظ سے مسند ابو یعلی وغیرہ کی سابقہ روایت میں قولی اور اعتقادی طور پر جو بتایا گیا تھا، زیرِ نظر صحیح حدیث میں آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ آپ نے سیرِ برزخ کے اس سفرِ معراج میں برگزیدہ نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا برزخی حال عین الیقین کے درجے میں بعینہٖ یہی دیکھا ہے کہ آپ جسمانی حیات کے ساتھ جسمانی طور پر قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

صحیح مسلم کی ایک طویل حدیث میں ہے:

"عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله -ﷺ-: ... قد رأيتني في جماعة من الأنبياء فاذاموسىٰ قائم يصلي فاذارجل ضرب جعد كأنه من رجال شنوءة واذا عيسىٰ بن مريم -عليه السلام- قائم يصلي أقرب الناس به شبهاً عروة بن مسعود الثقفي واذاابراهيم -عليه السلام- قائم يصلى أشبه الناس به صاحبكم يعني نفسه فحانت الصلوٰة فأممتهم فلما فرغت من الصلوٰة قال قائل: يامحمد هذامالک صاحب النار فسلم عليه فالتفت اليه فبدأني بالسلام۔"(۱۲۷)

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

(۱۲۷) الصحيح لمسلم، رقم الحديث ۱۷۴، ج:۴، ص:۶۱۸ (مع البحر المحيط)، السنن الكبرىٰ للنسائي برقم: ۱۱۴۸۰، ۱۱۲۸۴، ج:۶، ص:۳۷۷، (جاری ہے)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

نے فرمایا:۔۔۔ میں نے اپنے آپ کو انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت میں پایا، دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے، وہ درمیانے اور ٹھوس جسم والے آدمی تھے جیسے قبیلہ شنوءہ کے لوگوں میں سے ہوں۔ اس دوران حضرت عیسیٰ بن مریم بھی کھڑے ہو کے نماز پڑھتے نظر آئے، لوگوں میں ان کے قریب تر ہم شکل حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھتے نظر آئے۔ لوگوں میں ان میں سب سے زیادہ مشابہت کے حامل تمہارے نبی ہیں مراد خود آپ ﷺ کی ذات ہے۔ پھر نماز کا وقت ہوا تو میں نے سب (انبیاء) کی امامت کی۔ جب نماز سے فارغ ہوا تو کسی کہنے والے نے کہا کہ یہ داروغۂ جہنم "مالک" ہیں، ان کو سلام کریں، میں نے ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے مجھے سلام کرنے میں پہل کر لی۔"

آپ ﷺ کی اس سیرِ عالم برزخ میں پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں حالتِ قیام میں نماز میں دکھایا گیا کہ یہ (قبر موسیٰ علیہ السلام) مدینہ منورہ اور بیت المقدس کے درمیان میں ہے، پھر سب انبیاء علیہم السلام کی قبروں کی سیر کی بجائے سب کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا کہ ایک ساتھ سب کا حال برزخ واضح ہو جائے۔

شارحِ مسلم علامہ اُبّی وغیرہ شراحِ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ آپ

(بقیہ حاشیہ) مسند أبي عوانة ج:۱، ص:۱۳۰ - ۱۳۱ برقم:۳۵۰، دلائل النبوة للبيهقيؒ ج:۲، ص:۳۵۸، حياة الأنبياء في قبورهم ص:۷، مشكل الآثار رقم الحديث ۵۰۱۱، ج:۱۲، ص:۵۴۰، المستخرج على صحيح مسلم لأبي نعيم برقم ۴۳۳، الايمان لابن مندة برقم ۷۴۰۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ﷺ نے سب انبیاء علیہم السلام کو چشمِ بیداری میں دیکھا ہے اور صلوٰۃ معہودہ وشرعیہ (معروف شکل کی نماز) میں دیکھا ہے۔ (۱۲۸)

رسول اللہ ﷺ کے اس سفرِ معراج میں تمام انبیاء علیہم السلام کی رؤیت ان حضرات کی جسمانی حیات کے ساتھ ہونے پر علامہ عبدالغنی مقدسیؒ نے جو دلائل دیئے ان کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) معراج جسم مع الروح کے ہوئی تھی جیسا کہ اہلِ حق واہلِ سنت کا عقیدہ ہے اور بیداری میں ہوئی تھی جیسا کہ قرآن اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چشم بیداری میں حضرات انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھتے دیکھا۔ اور کھلی آنکھوں سے جسمانی نماز ہی نظر آسکتی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں اپنے اجساد کے ساتھ زندہ ہیں۔

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے قبر میں دیکھا جو کہ حیاتِ جسمانی ونمازِ جسمانی کی دلیل ہے کیوں کہ قبر میں نماز پڑھنا جسم کے اوصاف میں سے ہے، روح کے اوصاف میں سے نہیں، کیونکہ قبر میں جسم ہی مدفون ہے۔

(۳) سفر معراج میں نظر آنے والے انبیاء علیہم السلام کے جو اوصاف اور حلیے آپ ﷺ نے بیان کیے یہ بھی جسم کے اوصاف ہیں، روح کے نہیں۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو نمازوں کی تعداد میں تخفیف کے سلسلے میں بار بار آپ ﷺ کا مکالمہ ہوا یہ مکالمہ آپ ﷺ کے جسد مع الروح کا روح موسوی سے ہونا محال ہے، یقیناً یہ مکالمہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جسد مع الروح سے ہوا تھا۔

---

(۱۲۸) شرح الابی علی صحیح مسلم ج: ۱، ص: ۳۲۵، والبحر المحیط الثجاج، ج: ۴، ص: ۶۲۳، ط: دار ابن الجوزی.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

(۵) اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ آپ ﷺ انبیاء علیہم السلام کو ان کے اجسام میں دیکھیں، ان کا حلیہ اور قد وقامت بیان کریں، ان سے مخاطب ہوں اور وہ حضرات آپ ﷺ سے مخاطب ہوں اور ان سب کے بعد جب آپ ﷺ نماز پڑھائیں تو انبیاء علیہم السلام کی صرف ارواح کو پڑھائیں اور اجسام اس نماز میں شامل نہ ہوں، اس لیے یقیناً آپ ﷺ کی امامت میں حضرات انبیاء علیہم السلام نے اجساد وارواح کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔

(۶) ''صلوٰۃ'' شرعی اعتبار سے قیام، قراءت اور رکوع وسجود پر مشتمل عبادت کا نام ہے، اور حدیث کی نص شرعی اصطلاح کے مطابق وارد ہونا بدیہی امر ہے اور صرف ارواح کا قیام وقعود اور رکوع وسجود نہ عقلاً درست ہے نہ نقلاً کہیں ثابت ہے، بنابریں زیرِ نظر حدیث کے لفظ ''یصلي'' سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی یہ نماز جسمانی تھی۔ علامہ صالحی شامیؒ نے ''سبل الهدیٰ والرشاد'' میں علامہ مقدسی کے یہ دلائل، علامہ مقدسیؒ کے الفاظ میں اس طرح ذکر کیے ہیں:

''قال الحافظ عبدالغني المقدسي الحنبلي صاحب ''العمدة'' المشهورة في جواب سؤال مانصه: سألت... عن صلوٰة نبينا وسيدنا المصطفیٰ ... بإخوانه النبيين والمرسلين، هل صلى بأجسادهم أم بأرواحهم؟ فاعلم... أن مذهب أهل الحق القائلين بسنة رسول الله -ﷺ- أن الاسراء كان برسول الله -ﷺ- بجسده وروحه يقظةً لامناماً فقد ورد به القرآن العزيز... وتواترت الأخبار الصحيحة بذلك ... فاعلم

Telegram : t.me/pasbanehaq1

أن الأنبیاء أحیاء في قبورهم وقد روی مسلم عن أنسؓ أن النبي -ﷺ- قال : مررت لیلة أسري بي علی موسیٰ وهو قائم یصلي في قبره، وهذا من صفة الأجساد لامن صفة الأرواح... وقدوصف -ﷺ-الأنبیاء ... کأنه من رجال شنوءة... وهذا من صفة الأجساد لامن صفة الأرواح ... فارجع الی ربک فاسأله التخفیف ففعل ذلک مراراً... ومحال أن یکون هذاالخطاب من روح موسیٰ دون جسده والقائل بذلک مخالف للنقل والعقل ونمنع أن یراهم في أجسادهم ویصفها ویخاطبهم ویخاطبونه لم یصلي بالأرواح دون الأجساد والصلوٰة... في الشریعة عبارة عن القراء قمع القیام والرکوع والسجود وقیام الأرواح وقعودها وقراء تها غیر مدرک ولامعقول ولامنقول."(۱۲۹)

اور مسلم شریف کی شرح ''البحرالمحیط الثجاج'' میں ہے:

"الحق أنه -ﷺ- صلی بالأنبیاء بأجسادهم وأرواحهم ثم لماصعد الی الملأالأعلی وجد من ذکر أنه وجدهم من الأنبیاء کذالک روحاًوجسداًفان هذه الأمور الغیبیة لاتقاس علی الشهادة بل یجب التسلیم لها... ولانتکلف لتأویله بمالانحیط به علماً...

(۱۲۹) سبل الهدی والرشاد ج:۱۲، ص:۳۶۱-۳۶۰۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

فماأخبر به النبي -ﷺ- وصح لدينا حق وصدق نؤمن به وان جحده من أهل الضلالة الذين لايقبلون الاماجوزه عقلهم المشحون بالهوىٰ." (۱۳۰)

"حق یہ ہے کہ آپ ﷺ نے انبیاء علیہم السلام کے اجساد وارواح (کے مجموعہ) کو نماز پڑھائی اور ملأ اعلیٰ (آسمانوں) میں جن انبیاء علیہم السلام کو دیکھنے کا ذکر آپ ﷺ نے فرمایا ہے وہ بھی ارواح واجساد پر مشتمل تھے۔ یہ امور غیبیہ ہیں ان کو مشاہداتی دنیا پر قیاس نہیں کیا جاسکتا بلکہ ایسی چیزوں کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔۔۔ ہم ایسی کسی تاویل کا اس میں تکلف نہیں کرتے کہ جس کا علم کا ہم نے احاطہ نہیں کیا۔۔۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے اور ہم تک صحیح سند سے پہنچا ہے وہ حق ہے، صحیح ہے اس پر ہمارا ایمان ہے، اگرچہ ایسے گمراہ لوگ اس کو ماننے سے انکار کریں کہ جو خواہشات سے بھری ہوئی عقل کے مانے بغیر کسی بات کو قبول نہیں کرتے۔"

امام ابوالبقاء (محمد بن احمد) مکی حنفی (متوفی ۸۵۴ھ) لکھتے ہیں:

"حديث الاسراء ورؤيته الأنبياء وذكره لكل احد انه على صورة كذاوبهيئة كذاومستند الى بيت المعمور وامثال ذلك دلائل قاطعة على انهم احياء باجسادهم ... وقد ذهب الى ماذكرنا دليله واوضحناحجته ... الامام البيهقيّ والأستاذ أبوالقاسم القشيري وأبوحاتم

(۱۳۰) البحرالمحیط الثجاج ج:۴، ص:۵۲۷۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ابن حبان وأبو طاهر الحسين بن علي الأردستاني وصرح به أبو عمرو بن الصلاح ومحيي الدين النووي والحافظ محيي الدين الطبري وغيرهم."(۱۳۱)

"معراج کی حدیث، آپ ﷺ کا انبیاء علیہم السلام کو (بچشم بیداری) دیکھنا، (شبِ معراج میں نظر آنے والے) ایک ایک (نبی) کے بارے میں اس طرح فرمانا کہ ان کی شکل وصورت ایسی ہے، ان کی ہیئت ایسی ہے اور بیت المعمور سے ٹیک لگائے ہوئے تھے وغیرہ یہ سب اس کی قطعی دلیلیں ہیں کہ یہ (انبیاء) اپنے اجساد کے ساتھ زندہ ہیں، اور ہم نے جس (حیات الانبیاء) کی دلیلیں ذکر کیں اور جس کی حجت واضح کر دیا ہے، یہی امام بیہقیؒ، استاد ابو القاسم قشیری (امام) ابو حاتم بن حبان اور ابو طاہر حسین بن علی اردستانی کا مسلک (وعقیدہ) ہے اور اس کی صراحت امام ابو عمرو بن الصلاح، محی الدین نووی اور حافظ محی الدین طبری وغیرہ نے کی ہے۔"

علامہ علی قاریؒ نے بھی بیہقیؒ کے حوالے سے مختصر لفظوں میں یہی فرمایا کہ:

"لاداعي لصرفه عن ظاهره فدل ذلك على حياتهم."(۱۳۲)

---

(۱۳۱) تاريخ مكة المشرفة والمسجد الحرام والمدينة الشريفة والقبر الشريف ص: ۳۳۷-۳۳۶، ط: دار الكتب العلمية-بيروت۔

(۱۳۲) جمع الوسائل في شرح الشمائل ج: ۱، ص: ۵۳۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

''اس (حدیث) کو اپنے ظاہر سے پھیرنے (اور تاویل کرنے) کی کوئی بھی ضرورت یہاں پر نہیں ہے اس لیے یہ حدیث ان (انبیاء علیہم السلام) کی (بعد از وفات) حیات کی دلیل ہے۔''

شیخ التفسیر علامہ ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

''حضرات انبیائے کرام بلاشبہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز و نیاز میں مشغول ہیں لیکن شب معراج میں انبیائے کرام کو نبی کریم ﷺ کی ملاقات کے لیے مسجد اقصیٰ میں جمع کر دیا گیا اور پھر جس کو چاہا آسمانوں پر بھی بلا لیا ظاہر یہی ہے کہ انبیائے کرام کی یہ ملاقات روح اور جسم دونوں کے ساتھ تھی۔''(۱۳۳)

مزید لکھتے ہیں:

''ظاہر اور متبادر یہی ہے کہ حضرات انبیاء ان ہی ابدان دنیویہ کے ساتھ جو ان کی قبروں میں محفوظ اور صحیح و سالم ہیں، آپ کی ملاقات کے لیے جمع ہوئے ہیں اور قدرتِ قدیمہ کے لحاظ سے لقائے روحانی وجسمانی اور زمینی اور آسمانی اور ہر قسم کا نقلِ مکانی سب برابر ہیں، محض استبعادِ طبعی سے احادیث نبویہ کو رد کرنا بے عقلی اور بے دینی کی دلیل ہے''۔(۱۳۴)

اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو آپ ﷺ نے ''صلوٰۃ'' میں جو مشغول دیکھا ہے، وہ بھی لقائے جسمانی کی دلیل ہے، کیونکہ ان حضراتِ انبیاء کی طرح ان کی ''صلوٰۃ'' بھی

(۱۳۳) سیرت المصطفی ج:۳، ص:۱۷۰۔

(۱۳۴) سیرت المصطفی ج:۳، ص:۱۷۱-۱۷۰۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

''صلوٰۃ'' کی حقیقتِ شرعیہ (جسمانی طور پر نماز پڑھنا) پر محمول ہے، جو کہ ظاہر بھی ہے اور آپ ﷺ کی امامت اس کی واضح دلیل ہے، البحر المحیط میں ہے:

''ویؤکد...أنه الصلوٰة المعهودة ماذکر من أنه أم الأنبياء.''(۱۳۵)

''یہ صلوٰۃ معہودہ (شرعیہ) ہونے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ نے انبیاء علیہم السلام کی امامت کی (اور انبیاء علیہم السلام نے ان کی اقتداء میں صلوٰۃ ادا کی)۔''

علامہ بدرالدین عینی حنفیؒ ان احادیث سے حیاۃ الانبیاء کا عقیدہ ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قلت: الأنبياء أحياء فقد رآهم النبي -ﷺ- حقيقة وقد مر على موسىٰ - عليه الصلاة والسلام- وهو قائم يصلي.''(۱۳۶)

''میں کہتا ہوں: انبیاء علیہم السلام (بعد از وفات) زندہ ہیں چنانچہ نبی کریم ﷺ نے انہیں (شب معراج میں) حقیقتاً دیکھا ہے اور آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے اس حال میں کہ وہ (موسیٰ علیہ السلام) اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔''

امام ابن خزیمہؒ لکھتے ہیں:

---

(۱۳۵) البحر المحيط الثجاج ج:۴، ص:۶۲۳۔

(۱۳۶) عمدة القاري شرح صحيح البخاري ج:۳، ص:۲۵۱، باب كيف فرضت الصلوٰة في الاسراء۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

"ادّعت هؤلاء الجهلة أن الله-عزوجل-لايحيي احداً في القبر قبل وقت البعث ... فاسمعوا خبراً يدل على... أن الله-عزوجل- يحيي المقبور قبل البعث يوم القيامة كمالم يكن ذكرته في أبواب عذاب القبر اذليس في الأخبار التي أذكرهاذكر العذاب المالها ذكر الاحياء في القبر دون العذاب . حدثنا يوسف بن موسىٰ قال ثنا جرير عن سليمان التيمي عن أنس قال: قال رسول الله-ﷺ-: مررت على موسى وهو يصلي في قبره."(۱۳۷)

"ان (منکرینِ حیاتِ قبر) جاہلوں نے دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ روزِ قیامت سے پہلے قبر میں کسی کو 'حیات' سے نہیں نوازتے۔۔۔سوایک ایسی حدیث سنو کہ جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ۔۔۔اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اٹھانے سے پہلے مدفون کو حیات عنایت فرماتے ہیں۔ یہ حدیث میں نے ابوابِ عذابِ قبر میں ذکر نہیں کی اس لیے کہ اس میں عذابِ قبر کا ذکر نہیں ہے، صرف قبر میں حیات عنایت کیے جانے کا ذکر ہے، عذاب کا نہیں۔ ہمیں یوسف بن موسیٰ نے حدیث سنائی وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں جریر نے حدیث سنائی سلیمان تیمی سے انہوں نے حضرت انسؓ سے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا اس حال میں کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ

(۱۳۷) التوحيد لابن خزيمة ص:۳۷۶-۳۷۵، ط: دارالكتب العلمية۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

رہے تھے۔"

اس عبارت میں امام ابن خزیمہؒ کا قبر میں صلوٰۃِ موسیٰ کی حدیث سے قبر میں حیات کا اثبات ظاہر ہے۔

امام ابن تیمیہؒ نے بھی اس حدیث سے حیاۃ الانبیاء فی القبور کو ثابت کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"الأنبیاء أحیاء فی قبورهم وقدیصلون کما ثبت عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أنه قال: مررت بموسٰی لیلة أسری بی یصلی فی قبرهٖ "۔(المسائل لابن تیمیةؒ جلد: ۴،صفحة: ۱۹۱، طبعة دارعالم الفوائد)

"انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں شب معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے"۔

امام تقی الدین السبکیؒ (علی بن عبدالکافی) متوفی ۷۴۶ھ لکھتے ہیں:

"ویشهد له صلوٰة موسیٰ -علیه السلام- في قبره فان الصلوٰة تستدعي جسداًحیاً وکذلک الصفات المذکورة في الأنبیاء لیلة الاسراء کلها صفات الأجسام ... فلیس في العقل مایمنع من اثبات الحیاة الحقیقیة لهم وأماالادراکات کالعلم والسماع

Telegram : t.me/pasbanehaq1

فلاشک أن ذلک ثابت وسنذکر ثبوته لسائر الموتیٰ فکیف بالأنبیاء؟."(۱۳۸)

''اس (انبیاء علیہم السلام کی حیات بعدِ وفات اجسام وارواح کے مجموعہ کے لیے ثابت ہونے) کی دلیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا ہے اس لیے کہ ''نماز پڑھنا'' زندہ جسم کو مستلزم ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی جو صفات شبِ معراج کی حدیث میں مذکور ہیں، وہ سب اجسام کی صفات ہیں۔۔۔ اس لیے ان (انبیاء علیہم السلام) کے لیے حقیقی (جسمانی) حیات ثابت کرنے میں عقلاً کوئی مانع نہیں۔ اور شعور وادراک مثلاً جاننا، سننا سو یہ بے شک ان کے لیے ثابت ہے۔ ہم آگے باقی اموات کے لیے اس کے ثبوت کے دلائل ذکر کریں گے، پھر انبیاء علیہم السلام کے لیے یہ ادراک کیسے ثابت نہ ہو؟''

حافظ الدنیا امام ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

"یجوز أن یکون لروحه اتصال بجسده في الأرض فلذلک یتمکن من الصلوٰة وروحه مستقرة في السماء."(۱۳۹)

''آپ (یعنی موسیٰ علیہ السلام) کی روح کا زمین (یعنی قبر) میں موجود

(۱۳۸) شفاء السقام في زیارة خیر الأنام للامام السبکیؒ ص: ۱۹۲-۱۹۱ وذکره علي الحلبي في السیرة الحلبیة ج:۲، ص: ۴۳۲ عن السبکي۔

(۱۳۹) فتح الباري ج:۷، ص: ۲۶۶، ط: دار السلام-بیروت۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اپنے جسم سے اتصال ممکن ہے اسی (اتصال) کی وجہ سے آپ نماز پڑھنے پر قادر ہوتے ہیں جب کہ آپ کی روح آسمان (علیین) میں ہے۔"

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"وقد استشكل رؤية الأنبياء في السماوات مع أن أجسادهم مستقرة في قبورهم بالأرض وأجيب بأن أرواحهم تشكلت بصور أجسادهم أو أحضرت أجسادهم لملاقاة النبي -ﷺ- تلك الليلة تشريفاً له وتكريماً ويؤيده حديث عبدالرحمن بن هاشم عن أنس ؓ ففيه: وبعث له آدم فمن دونه من الأنبياء، فافهم."(۱۴۰)

"انبیاء علیہم السلام کے اجسام ان کی زمینی قبروں میں ہونے کے باوجود آسمانوں میں ان حضرات کے (شب معراج میں) نظر آنے پر اشکال کیا جاتا ہے، سو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ان کی ارواح نے ان کی جسمانی صورتوں کی شکل اختیار کر لی تھی یا اس (معراج کی) رات کو آپ ﷺ کے اعزاز و اکرام میں آپ سے ملاقات کے لیے ان حضرات (انبیاء) کے اجسام کو (آسمانوں میں) حاضر کر دیا گیا تھا۔ اس کی تائید حضرت عبدالرحمٰن بن ہاشم کی حضرت انس ؓ سے روایت کی گئی حدیث سے ہوتی ہے، چنانچہ اس میں آیا ہے کہ آپ ﷺ کے

(۱۴۰) فتح الباري ج:۷، ص:۲۶۳ ومثله في عمدة القاری، جلد: ۱۱، صفحة: ۶۰۴، باب المعراج وسبل الهدى والرشاد ج:۳، ص:۱۱۴۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

لیے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر (مبعوث ہونے والے) سب
انبیاء علیہم السلام کو (چلتی پھرتی دنیوی زندگی کے ساتھ) زندہ کر کے
اٹھایا گیا، خوب سمجھ لو۔"

حافظ ابن حجرؒ نے اس عبارت میں آسمانوں میں انبیاء علیہم السلام سے آپ کی ملاقات کی نوعیت میں دو قول ذکر کیے، پہلے قول کے مطابق یہ تجسد ارواح کی قبیل سے تھا کہ ارواح جو کہ وہاں (علیین) میں تھیں، وہ ان کی دنیوی صورتوں سے متشکل ہوئی تھیں اور دوسرے قول میں دنیوی اجسام کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کو اوپر لے جائے جانے کا ذکر ہے۔ پہلے عباراتِ اکابر اس پر گزر چکی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام سے آپ ﷺ کی یہ ملاقات حقیقی اور جسمانی تھی۔ حافظؒ نے بھی اس کی تائید کرتے ہوئے حضرت انسؓ کی روایت سے اس (ثانی الذکر قول) کو مدلل کر دیا۔ حضرت انسؓ کی یہ روایت امام طحاویؒ (ابو جعفر احمد بن محمد) متوفی ۳۲۱ھ نے سندِ حسن کے ساتھ اس طرح ذکر کی ہے:

"عن عبدالرحمن بن هاشم بن عتبة بن أبي وقاص عن أنس بن مالكؓ أن رسول الله -ﷺ- لما جاء بيت المقدس في الليلة التي أسري به اليه فيها بعث له آدم ومن دونه من الأنبياء -عليهم السلام- وأمهم رسول الله -ﷺ-." (۱۴۱)

"حضرت عبدالرحمٰن بن ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص، حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

(۱۴۱) شرح مشكل الآثار ج:۱۲، ص:۵۳۸ وكذا في تهذيب الآثار للطبري ج:۱، ص:۴۱۱ (مطولاً) تفسير الطبري ج:۱۵، ص:۶، الأحاديث المختارة للضياء المقدسي ج:۳، ص:۸، رقم الحديث ۲۲۷۷، دلائل النبوة ج:۲، ص:۳۶۲-۳۶۱، الدر المنثور ج:۹، ص:۵۲، تفسير ابن كثير ج:۵، ص:۱۱، امتاع الأسماع للمقريزي ج:۸، ص:۲۵۵، وبلفظ "نشرت لي الأنبياء" (جاری ہے)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

جس رات آپ کو (دورانِ سفرِ معراج) بیت المقدس لے جایا گیا اور آپ بیت المقدس پہنچے تو حضرت آدم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو زندہ کر کے اٹھایا گیا اور آپ ﷺ نے ان کی امامت کی۔"

امام ابن حبانؒ نے "صحیح ابن حبان" کی جلد ا صفحہ ۲۴۳ پر اور امام ابن خزیمہؒ نے اپنی کتاب التوحید کے صفحہ ۳۷۴ تا ۳۷۶ پر حیات فی القبر کے منکرین پر رد کرتے ہوئے قرآن کریم میں مذکور ایک سے زائد مرتبہ دنیوی حیات حاصل کرنے والوں کے کچھ واقعات سے اس بات کو مدلل کیا ہے کہ معراج کی شب انبیاء علیہم السلام کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جانا محل اشکال نہیں، نہ ہی یہ قرآن کریم یا کسی اور نص یا عقیدے کے منافی ہے۔ بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفرِ معراج میں انبیاء علیہم السلام کے برزخی احوال حیاتِ جسمانی کے دکھائے گئے، جیسے عاصیوں کو ہونے والے مختلف عذاب کا جسمانی ہونا دکھایا گیا۔

(بقیہ حاشیہ) عن ابن مسعودؓ في مسند أبي يعلى ج:۸،ص: ۴۵۱،رقم ۵۰۳۶، المعجم الكبير للطبراني ج:۸، صفحه (مسلسله) ۲۵۱۱، رقم الحديث ۹۹۷۶ (طبعة مؤسسة الريان–شارجة)، المستدرک على الصحيحين للحاكم، ج:۴، ص: ۶۰۵، مسند البزار ج:۵، ص:۱۴ رقم الحديث ۱۵۶۸، تاريخ مدينة دمشق ج:۳، ص:۵۰۲،تاريخ الاسلام للذهبيؒ (للمرى) ج:۱،ص:۲۴۹، حلية الأولياء لأبي نعيم ج:۴، ص:۲۳۴، بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث للهيثميؒ ج:۱،ص:۱۶۶، كنز العمال ج:۱۱،ص:۳۹۰، رقم الحديث ۳۱۸۴۱، اتحاف الخيرة المهرة للبوصيريؒ ج:۱، ص:۱۴۶،رقم الحديث:۱۴۴، المطالب العالية لابن حجرؒ ج:۱۷ ص:۲۴۶، رقم الحديث ۴۲۳۶، مجمع الزوائد ج:۱،ص:۷۴،الخصائص الكبرى ج:۱،ص:۲۷۰، جامع الأحاديث للسيوطيؒ ج:۱،ص:۳۴۵،رقم الحديث:۵۵۳۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی

حضرت موسیٰ علیہ اسلام سے شب معراج میں آپ ﷺ کی ملاقات:

اس یادگار لقائے موسوی کی حدیث صحیح بخاری، صحیح مسلم اور ترمذی شریف میں ہے۔

صحیح بخاری:

"عن قتادةعن أبي العالية: حدثناابن عم نبيكم يعني ابن عباسؓ عن النبي- صلى الله عليه وسلم- قال :رأيت ليلةاسرى بي موسى رجلا آدم طوالا جعدا كأنه من رجال شنوءة ورأيت عيسى رجلا مربوعاً مربوع الخلق الى الحمرةو البياض سبط الراس ورأيت مالكاًخازن النارو الدجال فی ايات أراهن الله اياه "فلاتكن فی مريةمن لقائه." (۱۴۲)

"(مشہور امام التفسیر) قتادہؒ حضرت ابو العالیہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہمیں تمہارے نبی کے چچازاد بھائی یعنی حضرت ابن عباس نے نبی ﷺ سے حدیث سنائی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس رات مجھے معراج پہ پہنچایا گیا اس رات میں نے حضرت موسی علیہ

(۱۴۲) صحیح بخاری مع اللامع الصبیح للامام شمس الدین البرماویؒ جلد ۹ ص: ۳۲۴ رقم الحدیث ۳۲۳۹، طبعة دار النوادر سورية۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

السلام کو دیکھا کہ وہ گندم گوں، دراز قد اور گھنگھریالے بالوں والے آدمی ہیں۔ جیسے (درازئی قد میں مشہور) قبیلۂ شنوءہ کے ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ میانہ قد اور میانہ اندام مائل بہ سرخی وسفیدی اور سیدھے بالوں والے ہیں اسی طرح داروغۂ جہنم مالک اور دجال کو بھی دیکھا دیگر قدرت کے نشانیوں کے درمیان کہ جو اللہ نے آپ ﷺ کو دکھائیں۔ (اس آیت قرآنیہ میں اسی کا ذکر ہے کہ) ''پس آپ ان (موسیٰ علیہ السلام) سے ملاقات کے بارے میں شک میں نہ رہئے۔''

امام ابن جریر طبریؒ (محمد بن جریر) متوفی ۳۱۰ھ حدیث بالا کے آخر میں مذکور آیت کی تفسیر میں لکھتے ہے:

''فلاتکن فی مریة من لقائه'' یقول: فلاتکن فی شک من لقائه. فکان قتادہ یقول: معنی ذالک: فلاتکن فی انک لقیته اولقاه لیلة أسری بک وبذلک جاء الأثر عن رسول اللّٰه ﷺ۔''. (۱۴۳)

''پس آپ ان (موسیٰ علیہ السلام) سے ملاقات کے بارے میں شک میں نہ رہئے''۔ (اس آیت میں اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں کہ آپ ان (موسیٰ علیہ السلام) سے ملاقات کے بارے میں شک میں نہ رہئے، چناں چہ (مشہور امام التفسیر) قتادہؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس آیات کا مطلب یہ ہے کہ آپ کہ آپ اس بارے میں شک میں نہ رہئے، کہ آپ

(۱۴۳) تفسیر الطبری جلد: ۱۸، ص: ۶۳۶ تفسیر الآیة: ۲۳ من سورة السجدة. طبعة دار عالم الکتب، الریاض۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

نے ان (موسیٰ علیہ السلام) سے ملاقات کی ہے یا آپ ان سے اس رات ملاقات کر لیں گے کہ جس رات آپ کو معراج پہ پہنچایا جائے گا۔ اور حدیث سے بھی (آیتِ مذکورہ کا) یہی (مطلب) ثابت ہے۔"

امام ابن جریرؒ نے اس کے بعد علمِ تفسیر میں عبور کی نبوی دعا حاصل کرنے والے حضرت ابن عباسؓ کی حدیثِ بالا سند صحیح کے ساتھ ذکر کی البتہ بخاری شریف کی درج بالا روایت آیت پر ختم ہوئی ہے، جب کہ ابن جریرؒ کی روایت کے بعد ان دو جملوں کا اضافہ ہے:

"انه قد رأى موسىٰ ولقي موسىٰ ليلة أسري به." (۱۴۴)

"یقیناً آپ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آپ نے اس رات ملاقات کی ہے کہ جس رات آپ ﷺ کو معراج پر لے جایا گیا۔"

جامع المعقول والمنقول امام بیضاویؒ (عبداللہ بن عمر بن محمد) متوفی ۶۸۵ھ اپنی بے مثال اور شہرۂ آفاق تفسیر میں لکھتے ہیں:

"أو من لقائك موسىٰ. وعنه -عليه السلام-: رأيت ليلة أسري بي موسىٰ رجلاً آدم طوالاً جعداً كأنه من رجال شنوءة." (۱۴۵)

"یا (آیت کا مطلب یہ ہے کہ) موسیٰ علیہ السلام سے آپ کی ملاقات ہونے کے بارے میں (آپ شک میں مت رہیے) آپ ﷺ سے مروی ہے (کہ آپ نے فرمایا) کہ جس رات مجھے معراج پر لے

(۱۴۴) تفسير الطبري ج:۱۸، ص:۶۳۶۔

(۱۴۵) تفسير البيضاوي مع حاشية القونوي ج:۱۵، ص:۲۸۰۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

جایا گیا اس رات میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا آپ گندم گوں، دراز قد اور گھنگھریالے بالوں والے ہیں، جیسے آپ بنوشنوءۃ کے لوگوں میں سے ہوں۔"

بیضاوی شریف کے مشہور شارح علامہ قونوی حنفیؒ (اسماعیل بن محمد) متوفی ۱۱۹۵ھ بیضاوی شریف کی اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

"وعنه علیه السلام". تائید للمعنی الأخیر وان المراد اللقاء فی الدنیا بالجسد علی ماهو الصحیح لابالروح فقط والتخصیص مع أنه -علیه السلام- رأی لیلة الاسراء کثیراً من الأنبیاء لأنه -علیه السلام- راجع موسیٰ -علیه السلام- في تلک اللیلة في شأن الصلوات الخ". (۱۴۶)

"(بیضاوی کی عبارت کہ) "اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے" یہ آیت کے متعلق آخری معنی کی تائید میں ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ آیت میں موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات سے مراد دنیوی (زندگی میں) ملاقات ہے، جسم کے ساتھ، جیسا کہ صحیح قول ہے نہ کہ صرف روح کے ساتھ اور شب معراج میں بہت سے پیغمبروں سے ملاقات کرنے کے باوجود (موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کو) بطور خاص آیت میں ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت

(۱۴۶) حاشیة القونوي علی تفسیر البیضاوي ج:۱۵، ص:۲۸، ط: دار الکتب العلمیة-بیروت۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

موسیٰ علیہ السلام کے پاس نمازوں کے سلسلے میں بار بار جاتے رہے۔
(یوں یہ ایک یادگار ملاقات ثابت ہوئی)۔"

بخاری شریف کی حدیثِ مذکور کے آخر میں ذکر کردہ آیت کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ راوی کا کلام ہے جو حدیث کے استشہاد میں راوی نے ذکر کیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کلام ہے اور پہلے مذکور حدیث کا حصہ ہے (ذکرہ البرماوی (محمد بن عبد الدائم المتوفی ۸۳۱ ھ) فی شرح صحیح البخاری : ۹/ ۳۲۵)۔

مسلم شریف:

حدیث سابق مسلم شریف میں اس طرح ہے:

"عن قتادة عن ابی العالیة : حدثنا ابن عم نبیکم ابن عباسؓ قال : قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم : مررت لیلة اسری بی علی موسی بن عمران رجل آدم طوال جعد کانه من رجال شنوءة ورأیت عیسیٰ بن مریم مربوع الخلق الی الحمرة والبیاض سبط الرأس وأری مالکا خازن النار والدجال فی آیات اراهن اللّٰه ایاه " فلا تکن فی مریة من لقائه". (۱۴۷)

"حضرت قتادہ ابو العالیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہمیں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد ابن عباسؓ نے حدیث سنائی وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معراج

(۱۴۷) صحیح مسلم مع البحر المحیط الثجاج جلد: ۴، صفحة: ۵۵۵ باب الاسراء ۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کی رات حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے پاس سے میرا گزر ہوا، آپ گندم گوں، دراز قد گھنگھریالے بالوں والے آدمی ہیں، جیسے قبیلہ شنوءۃ کے لوگوں میں سے ہوں۔ اور میں نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو دیکھا، آپ میانہ اندام، مائل بہ سرخی وسفیدی اور سیدھے بالوں والے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہنم کے داروغہ "مالک" اور دجال دکھائے گئے، دیگر ان نشانیوں میں کہ جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دکھائیں (اس آیت میں اسی کا ذکر ہے کہ) سو آپ ان موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کے بارے میں شک مت کیجئے"۔

تفسیر قرطبی اور تفسیر ابن عطیة (المحرر الوجیز) وغیرہ کے اہم مراجع میں شامل علامہ مکی بن ابی طالب (متوفی ۴۳۷ھ) کی معروف تفسیر "الھدایة" میں ہے:

"فلا تکن فی مریة من لقائه ای فی شک من انک لقیته او تلقاه لیلة الاسراء قاله قتادة وبذلک اتی الخبر عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم انه لقیه لیلة الاسراء . روی ابن عباسؓ ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: اریت لیلة اسری بی موسی بن عمران رجلا آدم طوالا جعدا کأنه من رجال شنوءة ورأیت عیسیٰ مربوع الخلق الی الحمرة والبیاض سبط الراس ورأیت مالکا خازن النار والدجال". (۱۴۸)

(۱۴۸) الھدایة الی بلوغ النھایة، جلد: ۹، صفحة: ۵۷۶۸ و ۵۷۶۹، طبعة جامعة الشارقة شارجة۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

''پس آپ ان (موسیٰ علیہ السلام) سے ملاقات کے بارے میں شک میں مت رہیے، یعنی آپ اس میں شک نہ کیجیے کہ آپ نے موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی ہے، یا مطلب یہ ہے کہ آپ شب معراج میں ان سے ملاقات کریں گے (اس میں شک نہ کیجیے)، یہ قتادہؒ کا قول ہے اور یہی حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (موسیٰ علیہ السلام) سے شب معراج میں ملاقات کی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس رات مجھے معراج پہ لے جایا گیا مجھے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام دکھلائے گئے، وہ گندم گوں، اچھے خاصے دراز قامت اور گھنگھریالے بالوں والے ہیں، جیسے بنوشنوءۃ کے لوگوں میں سے ہوں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا میانہ جسم، سرخی وسفیدی کی طرف مائل اور سیدھے بالوں والے ہیں، میں نے داروغہ جہنم ''مالک'' اور دجال کو بھی دیکھا''۔

امام ابوحیان اندلسیؒ (محمد بن یوسف متوفی ۷۴۵ھ) آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"والظاهر ان الضمير عائد على موسى .....اى من لقائك موسىٰ اى فى ليلة الاسراء اى شاهدته حقيقة.....وقد وصفه الرسول فقال آدم طوال جعد كأنه من رجال شنوءة حين رآه ليلة الاسراء قاله ابو العالية وقتادة وجماعة من السلف". (۱۴۹)

(۱۴۹) البحر المحيط لابى حيان، جلد:۷، صفحة: ۱۹۹ طبعة دارالكتب العلمية تحت تفسير الأية :۲۳ من سورة السجدة۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

"ظاہر یہی ہے کہ (لقائہ میں) ضمیر (ہ) موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے..... (آیت کا) مطلب یہ ہے کہ آپ کی موسیٰ علیہ السلام سے جو ملاقات ہوئی ہے یعنی شب معراج میں (اس میں شک نہ کیجیے) یعنی آپ نے ان کو حقیقتاً دیکھا ہے.....اور شب معراج میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو اس وقت کے اوصاف (اور حلیہ) بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا، فرمایا: کہ موسیٰ علیہ السلام گندم گوں، دراز قد اور گھنگھریالے بالوں والے ہیں۔ یہ تفسیر ابو العالیۃ، قتادۃ اور سلف کی ایک جماعت نے (اس آیت کی) کی ہے۔

ترمذی شریف

ترمذی شریف میں یہ حدیث اس طرح ہے:

"عن ابی هریرةؓ قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : حین اسری بی لقیت موسیٰ قال : فنعته فاذا رجل حسبته قال مضطرب ،رجل الرأس ،کأنه من رجال شنوءة قال : ولقیت عیسی قال : فنعته قال : ربعة احمر کانما خرج من دیماس یعنی الحمام ورأیت ابراهیم قال وانا اشبه ولده به قال : واوتیت بانائین احدهما لبن والأخر فیه خمر فقال لی : خذ ایهما شئت فاخذت اللبن فشربته فقیل : هدیت الفطره او اصبت الفطرة ،اما انک لو اخذت الخمر غوت امتک ،قال

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ابو عیسیٰ: هذا حديث حسن صحيح."(۱۵۰)

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مجھے معراج پہ لے جایا گیا تو میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی (حضرت ابو ہریرہؓ) فرماتے ہیں کہ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ السلام نے ان کے اوصاف (اور خدوخال) بیان کئے ،فرمایا کہ وہ ایسے آدمی ہیں (راوی کہتے ہیں) میرے خیال میں یہ کہا کہ وہ ذرا لمبے ہیں اور سنوارے ہوئے بالوں والے ہیں ،جیسا وہ قبیلہ شنوءۃ کے آدمی ہوں ،فرمایا: اور میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ملاقات کی ۔فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اوصاف بھی بیان کئے فرمایا: میانہ قد کے ہیں سرخ رنگت والے ہیں (شادابی ایسی) جیسے ابھی غسل خانے سے (نہا کر) نکلے ہوں ،اور میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا ،فرمایا: ان کی اولاد میں سب سے زیادہ ان کے مشابہ میں ہوں اور مجھے دو برتن پیش کئے گئے ،ان میں سے ایک دودھ (کا برتن) تھا اور دوسرے (برتن) میں شراب تھی اور مجھے کہا کہ ان میں سے کوئی ایک جو آپ چاہیں پسند فرمائیں ،میں نے دودھ لیا اور اس کو پی گیا تو بتایا گیا کہ آپ فطرت کی

---

(۱۵۰) سنن الترمذی مع التحفة ، جلد:۸، صفحة: ۵۴۰ ،رقم الحديث : ۳۱۳۰ وهو فی صحيح البخاری بنفس الاسناد مع الفتح جلد:۶ ، صفحة: ۵۸۱ ،رقم الحديث :۳۴۳۷ وباسناد آخر فيه جلد:۶ ، صفحة: ۵۲۰ ،رقم الحديث : ۳۳۹۴ ،طبعة دار السلام بيروت . وكذا فی صحيح مسلم مع البحر المحيط الثجاج جلد:۴، صفحة: ۵۸۳ ،باب الاسراء وكذا فی باب جواز شرب اللبن من كتاب الاشربة مختصرا۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

راہ پا گئے یا یہ کہ آپ فطرت کو پا گئے، اگر آپ شراب لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ امام ابو عیسیٰ (ترمذی) فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے"۔

سابق مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے تصدیق شدہ ایک مسئلے میں سائل نے سوال کیا کہ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات اور تخفیفِ نماز کے بارے میں گفتگو صرف روح سے ہوئی تھی یا روح مع الجسد سے؟ تو جواب دیا گیا کہ:

"احادیث میں اس کی تصریح نہیں ہے لیکن اطلاقات سے ظاہر یہ ہے کہ جسد کے ساتھ ہوئی تھی، اور مسجد اقصیٰ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمیع انبیاء کی جو امامت کرائی وہ صرف روحوں کی امامت تھی یا ارواح مع الاجساد کی؟ اس کے جواب میں کہا گیا: اس کی بھی روایات میں تصریح نہیں، بظاہر اجساد کے ساتھ ہی ہے۔ واللہ اعلم"۔(۱۵۱)

علامہ بدرالدین عینیؒ شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

" قلت : الانبياء احياء فقد راهم النبی صلی الله عليه وسلم حقيقة وقد مر علی موسیٰ عليه الصلاة والسلام وهو قائم يصلی فی قبره"۔ (۱۵۲)

"میں کہتا ہوں: تمام انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ

(۱۵۱) فتاویٰ عثمانی: ۱/۶۱ مطبوعہ مکتبہ معارف القرآن۔ کراچی۔

(۱۵۲) عمدة القاری، جلد: ۳، صفحة: ۲۵۱، باب كيف فرضت الصلاة فی الاسراء۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

وسلم نے ان کو شبِ معراج میں حقیقتاً دیکھا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے، جبکہ آپ کھڑے ہو کر اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے"۔

علامہ عبدالحی لکھنویؒ، موسیٰ علیہ السلام کو دیکھنے کی حدیث پر حاشیہ قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فيه اثبات حياة الانبياء." (۱۵۳)

"اس میں حیات الانبیاء کا اثبات ہے (اس حدیثِ ملاقات سے حیات الانبیاء ثابت ہوتی ہے)۔"

اس لئے کہ تخصیص کا قائل کوئی نہیں کہ وفات پانے والے انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی خاص نبی یا کچھ مخصوص انبیاء علیہم السلام کی حیات ثابت ہو باقی حضرات کی نہ ہو یہ بالاتفاق باطل ہے، اس لئے جب حدیثِ ملاقات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ جسمانی بعد از وفات ثابت ہوئی تو تمام انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی ثابت ہوگئی۔

امام بیہقی لکھتے ہیں:

"والانبياء عليهم السلام بعد ما قبضوا ردت اليهم ارواحهم فهم احياء عند ربهم كالشهداء وقد رأى نبينا صلى الله عليه وسلم جماعة منهم ليلة المعراج". (۱۵۴)

"اور انبیاء علیہم السلام کی ارواح قبض کئے جانے کے بعد دوبارہ لوٹا دی

(۱۵۳) التعليق الممجد على مؤطا محمد: ۳/ ۵۱۲، رقم الحديث: ۹۸۰، طبعة دار القلم بيروت۔

(۱۵۴) كتاب الاعتقاد للبيهقيؒ: ۱۷۳، ونقله ابن حجر فی التلخيص الحبير جلد: ۲، صفحة: ۲۹۴، كتاب الجنائز، طبعة دار الكتب العلمية. بيروت۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

گئیں اس لئے وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں، جیسے شہید (زندہ ہیں) اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت کو شب معراج میں دیکھا ہے"۔

علامہ جعفر کتانیؒ متوفی ۱۳۴۵ھ لکھتے ہیں:

"قال السيوطیؒ ..... حياة النبی صلی الله عليه وسلم فی قبره وسائر الانبياء معلومة عندنا علما قطعيا ..... وانه صلی الله عليه وسلم اجتمع بالانبياء ليلة الاسراء فی بيت المقدس ،وفی السماء خصوصا بموسیٰ عليه السلام."(۱۵۵)

"سیوطیؒ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور تمام انبیاء علیہم السلام کی اپنی قبروں میں حیات ہمارے (اہلِ سنت) کے ہاں علم قطعی کے ساتھ معلوم ہے (آگے فرمایا) اور یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بیت المقدس اور آسمان میں اکٹھے ہوئے ہیں بالخصوص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ۔"

واضح رہے کہ ترمذی شریف میں اس حدیث کی سند بعینہ بخاری شریف کی ہے اس لئے بخاری شریف کی احادیث کی طرح صحیح ہونا ظاہر ہے۔ تفصیلی کلام کی ضرورت نہیں۔

(۱۵۵) نظم المتناثر من الحديث المتواتر لابی عبد الله جعفر الكتانی "صفحة:۱۲۷، رقم : ۱۱۵، طبعه دار الكتب السلفية .مصر۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

سنن ابوداؤد، سنن نسائی

سنن ابن ماجہ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

سنن ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ

اجسادِ انبیاء علیہم السلام خاک نہیں بنتے

زمین پر اجسادِ انبیاء حرام ہونے کی حدیث سنن ابوداؤد، نسائی، اور ابن ماجہ میں ہے۔

سنن ابوداؤد میں ہے:

"حدثنا الحسين بن علی عن عبد الرحمن بن يزيد بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن اوس بن اوس قال : قال النبی صلی الله عليه وسلم : ان من افضل ايامكم يوم الجمعة فاكثروا علی من الصلاة فيه ،فان صلاتكم معروضة علی ، قال : فقالوا : يارسول الله ا كيف تعرض صلاتنا عليك وقد ارمت ؟ قال : يقولون : بليت ، قال : ان الله حرم علی الارض اجساد الانبياء."(۱۵۶)

"ہم سے حسن بن علی نے حدیث بیان کی فرمایا ہم سے حسین بن علی نے حدیث بیان کی ،عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے ، انہوں نے ابوالاشعث صنعانی سے ،انہوں نے اوس بن اوسؓ سے ،فرمایا کہ: نبی

(۱۵۶) سنن ابی داود مع شرح العينی جلد:۵، صفحة: ۴۴۰،رقم الحديث : ۱۵۰۲ ،طبعة مكتبة الرشد – رياض۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بے شک جمعہ کا دن تمہارے افضل ترین دنوں میں سے ہے، سوتم اس (جمعہ کے) روز مجھ پر زیادہ درود پڑھا کرو، اس لئے کہ تمہارا درود مجھے پیش کر دیا جاتا ہے (حضرت اوسؓ) کہتے ہیں کہ انہوں نے (صحابہؓ نے) کہا اے اللہ کے رسول! ہمارا درود کیسے آپ کو پیش کیا جائے گا جبکہ آپ تو ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو حرام کر دیا ہے"۔

رجالِ سند

الحسن بن علی:

یہ حسن بن علی حلوانی، ابوعلی الخلال ہذلی ہیں۔ (۱۵۷)

یہ صحیح بخاری و مسلم کے دونوں کے راوی ہیں۔ (۱۵۸)

حسین بن علی:

یہ حسین بن علی بن الولید ابوعبداللہ الجعفی ہیں، یہ بھی صحیحین کے راوی ہیں۔ (۱۵۹)

عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر:

---

(۱۵۷) تسمية شيوخ ابی داود للامام ابی علی الحسين بن محمد الجيانی الغسانی ،صفحة: ۷۴،رقم الترجمة: ۷۵.

(۱۵۸) تهذيب التهذيب جلد: ۲، صفحة: ۲۶۲ ،رقم الترجمة: ۵۳۰.

(۱۵۹) تهذيب التهذيب جلد: ۲، صفحة: ۳۰۸،رقم الترجمه: ۶۱۶.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

یہ بھی صحیحین کے راوی ہیں۔ (۱۶۰)

ابوالاشعث الصنعانی:

یہ شراحیل بن آدۃ ابوالاشعث الصنعانی ہیں، یہ صحیح مسلم کے راوی ہیں، امام بخاری نے الادب المفرد میں ان سے روایت کی ہے، البتہ اپنی صحیح میں ان سے کوئی روایت نہیں لی۔

آگے حضرت اوس بن اوس صحابی رسول ہیں اور ان کی کوئی روایت صحیحین میں نہیں ہے، البتہ سنن اربعہ میں ہے۔

الغرض صحابیؓ تک اس سند کے سارے رجال ابوالاشعث کے علاوہ صحیحین کے رجال ہیں جب کہ ابوالاشعث مسلم شریف کے راوی ہیں، جن کی ثقاہت محتاج بیان نہیں ،اس لئے یہ سند صحیح ہے، شعیب ارنؤوط کا مسند احمد: ۲۶/۸۴ رقم: ۱۶۱۶۲ میں اس کے رجال کو صحیح بخاری کے رجال کہنا کسی طرح درست نہیں جو کہ بظاہر البانی صاحب کی اجماع کا اثر ہے، مذکورہ روایت سنن ابوداؤد کے "باب فی الاستغفار" کی آخری حدیث ہے۔

سنن ابوداؤد میں یہ روایت قدرے مفصل انداز میں "باب تفریع ابواب الجمعة" میں بھی ہے، اس کی سند کے پہلے راوی ہارون بن عبداللہ ہیں جو کہ مسلم شریف کے رجال میں سے ہیں، اس لئے وہ بھی صحیح ہے کہ بخاری و مسلم کے راویوں کی ثقاہت مسلمہ ہے۔

سنن نسائی:

ابوداؤد کی یہ مفصل روایت سنن نسائی میں اس طرح ہے:

"أخبرنا إسحاق بن منصور قال حدثنا حسین الجعفی

(۱۶۰) تهذیب التهذیب جلد: ۶، صفحة: ۲۶۶، رقم الترجمة: ۵۸۱ من حرف ا۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

عن عبدالرحمن بن يزيد بن جابر عن أبی الأشعث الصنعانی عن اوس بن اوس عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم قال : ان من افضل ايامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم ،وفيه قبض ،وفيه النفخة ، وفيه الصعقة،فاكثروا علی من الصلاة فان صلاتكم معروضة علی ، قالوا يا رسول اللّٰه ! كيف تعرض صلوتنا عليک وقد ارمت أی يقولون بليت ، قال : ان اللّٰه عزوجل قد حرم علی الارض ان تأكل اجساد الانبياء عليهم السلام ." (۱۶۱)

"اسحاق بن منصور نے ہمیں حدیث بیان کی ، کہا کہ ہمیں حسین جعفی نے حدیث سنائی ، عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے ، انہوں نے ابوالاشعث صنعانی سے ، انہوں نے حضرت اوس بن اوس سے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک تمہارے افضل ایام میں سے جمعہ کا دن ہے، اس دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے، اسی دن ان کی وفات ہوئی، اسی دن دوسری بار صور پھونکا جائے گا اور اسی دن پہلی بار صور پھونکا جائے گا ،سوتم مجھ پر (اس دن) کثرت سے درود بھیجا کرو اس لئے کہ تمہارا درود مجھے پیش کیا جاتا ہے، انہوں نے (صحابہؓ نے) عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہمارا درود آپ کو (وفات کے بعد) کیسے پیش کیا جائے گا جبکہ آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱۶۱) سنن النسائی مع شرحه ذخيرة العقبیٰ جلد: ۱۶ ، صفحة: ۹۳-۹۲، رقم الحديث : ۱۳۷۴ ،وكذا فی سننه الكبریٰ برقم : ۱۶۶۶۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

بے شک اللہ عزوجل نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو کھائے۔"

اس روایت کے پہلے راوی اسحاق بن منصور بن بہرام کوسج ابو یعقوب تمیمی مروزی ہیں جو کہ صحیحین کے راوی ہیں۔(تهذيب التهذيب ، جلد: ۱ ،صفحة: ۲۱۸ ،رقم الترجمة : ۳۷۱ من لفظ الالف)

باقی سب راوی ابوداؤد کی روایت سابقہ کے راوی ہیں، جو کہ ابوالاشعث کے سوا سب صحیحین کے راوی ہیں، جیسا کہ گذرا، اس لئے یہ سند بھی بے غبار صحیح ہے۔

سنن ابن ماجہ:

سنن ابن ماجہ میں بھی یہ روایت اسی طرح مفصل ہے، چنانچہ ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

"حدثنا أبو بكر بن أبی شيبة ثنا الحسين بن علی عن عبد الرحمن بن يزيد بن جابر عن أبی الاشعث الصنعانی عن اوس بن اوس ؓ قال : قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم : إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم، وفيه النفخة ، وفيه الصعقة، فأكثروا علی من الصلاة فيه فإن صلاتكم معروضة علی ، فقال رجل يا رسول اللّٰه ! كيف تعرض صلوتنا عليك وقد أرمت يعنی بليت ، قال : إن اللّٰه حرم علی الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء۔"(۱۶۲)

"ہمیں ابوبکر بن ابی شیبہ نے حدیث سنائی، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں

(۱۶۲) سنن ابن ماجه ، باب فی فضل الجمعة ،رقم الحديث:۱۰۸۵ ،وبنفس السند فی باب ذكر وفاته ودفنه صلی اللّٰه عليه وسلم ،رقم الحديث : ۱۶۳۶ ۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

حسین بن علی نے حدیث سنائی، عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے، انہوں نے ابوالاشعث صنعانی سے انہوں نے حضرت اوس بن اوس سے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک تمہارے افضل ایام میں سے جمعہ کا دن ہے، اس دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی دن دوسری بار صور پھونکا جائے گا اور اسی دن پہلی بار صور پھونکا جائے گا، سو تم اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو اس لئے کہ تمہارا درود مجھے پیش کیا جاتا ہے، اس پر ایک شخص (صحابیؓ) نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہمارا درود آپ کو (وفات کے بعد) کیسے پیش کیا جائے گا جبکہ آپ تو ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے زمین پر حرام کر رکھا ہے کہ وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو کھائے۔"

ابن ماجہ کی اس روایت کے پہلے راوی ابوبکر بن ابی شیبہ (عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ) ہیں، یہ صحیحین کے راوی ہیں اور حسین بن علی سے آگے کی سند سابقہ روایات کی طرح ہے جس کے رجال ابوالاشعث کے سوا سب صحیحین کے، جب کہ ابوالاشعث صحیح مسلم کے راوی ہیں۔ اس لئے ابن ماجہ کی یہ روایت بھی صحیح ہے، جیسے مسلم شریف کی کوئی حدیث ہو۔

اس حدیث سے متعلق کچھ علمی اعتراضات اور ان کے مفصل تحقیقی جوابات:

امام بخاری اور امام ابو حاتمؒ نے اس حدیث کی سند پر ایک اعتراض وارد کر کے اس حدیث کو منکر کہا ہے، وہ اعتراض یہ ہے کہ حسین بن علی جعفی نے اپنے شیخ کا نام اس روایت میں عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر ذکر کیا ہے جبکہ حسین کا سماع اس عبدالرحمٰن بن یزید

Telegram : t.me/pasbanehaq1

سے ثابت ہے جو کہ ابن تمیم ہیں، نہ کہ اس عبدالرحمٰن بن یزید سے جو کہ ابن جابر ہیں۔ ان میں سے ابن جابر تو ثقہ ہیں، مگر ابن تمیم ضعیف ہیں، امام شمس الدین سخاویؒ اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

"وقد رد هذه العلة الدارقطنی وقال ان سماع حسین من ابن جابر ثابت والی هذا جنح الخطیب". (۱۶۳)

اس علت کو امام دارقطنیؒ نے رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ابن جابر سے حسین کا سماع ثابت ہے، خطیبؒ کا رجحان بھی اسی طرف ہے (کہ حسین کا سماع ابن جابر سے ثابت ہے)"

امام سخاویؒ نے یہ کلام نقل کر کے جو اس حدیث کا دفاع کیا ہے یہ اس حدیث کی تصحیح بھی ہے اور امام ابوحاتم پر رد بھی، جس سے امام سخاویؒ کی طرف سے بھی اس علت کا رد ہو گیا ہے۔

امام دارقطنیؒ کا یہ رد ابن القیمؒ نے اس طرح ذکر کیا ہے:

"رأیت الدارقطنی قد ذکر ذلک نصاً فقال فی کلامه علی کتاب أبی حاتم فی الضعفاء : قوله : حسین الجعفی روی عن عبدالرحمن بن یزید بن جابر." (۱۶۴)

"میں نے دیکھا کہ امام دارقطنیؒ نے یہ بات صراحتاً ذکر کر دی ہے، چنانچہ ابوحاتم کی کتاب الضعفاء پر کلام کرتے ہوئے انہوں نے ایک جگہ فرمایا: قولہ: "حسین الجعفی" انہوں نے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر

(۱۶۳) القول البدیع، صفحة: ۱۵۳۔

(۱۶۴) جلاء الأفهام، صفحة: ۳۵۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

سے روایت کی ہے"۔

دیگر اصحاب تراجم نے بھی حسین جعفی کا سماع حدیث عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے ثابت قرار دیا ہے امام جمال الدین مزیؒ لکھتے ہیں:

"الحسین بن علی بن الولید الجعفی .....روی عن ..... عبدالرحمن بن یزید بن جابر الدمشقی ." (۱۶۵)

"حسین بن علی بن الولید جعفی .....انہوں نے.....عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر دمشقی سے روایت کی ہے"۔

امام شمس الدین ذہبیؒ لکھتے ہیں:

"الحسین بن علی بن الولید الجعفی .....سمع .....عبدالرحمن بن یزید بن جابر" . (۱۶۶)

حسین بن علی بن الولید جعفی .....عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے حدیثیں سنی ہیں۔

اور سیر اعلام النبلاء میں فرماتے ہیں:

"الحسین بن علی الجعفی .....الامام القدوة الحافظ المقرئ المجود الزاهد بقیة الاعلام .....سمع من ..... عبدالرحمن بن یزید بن جابر." (۱۶۷)

---

(۱۶۵) تهذیب الکمال ، جلد: ۲ ،صفحة: ۱۹۶ ،رقم الترجمة : ۱۳۰۸ ،طبعة بشار فی ثمانی مجلدات۔

(۱۶۶) تاریخ الاسلام ، جلد: ۵ ،صفحة: ۵۴-۵۳ ،الطبعة الحادی والعشرون، رقم الترجمة منها: ۸۷ ۔

(۱۶۷) سیر اعلام النبلاء: ۹/ ۳۹۸، ۳۹۷،طبعة مؤسسة الرسالة۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

"""۔ حسین بن علی جعفی..... امام ہیں، مقتدا ہیں، حافظ، مقری، مجود، زاہد اور بقیۃ السلف ہیں، انہوں نے..... عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے سماع حدیث کیا ہے۔"

اور حاکم نیشاپوری (ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ متوفی ۴۰۵ھ) نے المستدرک میں زیرنظر حدیث اس سند سے روایت کی:

"حدثنا ابو العباس محمد بن یعقوب ،حدثنا ابو جعفر احمد بن عبدالحمید الحارثی ثنا الحسین بن علی الجعفی ثنا عبدالرحمن بن یزید بن جابر عن الاشعث الصنعانی عن اوس بن اوس الثقفی قال : قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم (الی آخر الحدیث)".

اس کے بعد فرمایا:

"هذا حدیث صحیح علی شرط البخاری ولم یخرجاه." (۱۶۸)

"یہ حدیث صحیح ہے، بخاری کی شرط پر ہے مگر دونوں حضرات (امام بخاریؒ و مسلمؒ) نے یہ روایت (صحیحین میں) ذکر نہیں کی"۔

امام ذہبیؒ نے تلخیص المستدرک میں حسین بن علی جعفی کی عبداللہ بن یزید بن جابر سے اس روایت کے بارے میں حاکم نیشاپوری سے اتفاق کرتے ہوئے فرمایا:

"علی شرط البخاری" (۱۶۹)

"(واقعی یہ) بخاری کی شرط پر ہے۔"

---

(۱۶۸) المستدرک للحاکم، جلد: ۱، صفحة: ۴۱۳، رقم الحدیث: ۱۰۲۹، طبعة دار الکتب العلمیة۔

(۱۶۹) حوالہ سابقہ۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

یعنی جیسے بخاری شریف کی حدیثیں صحیح ہیں، یہ بھی اس درجے کی صحیح حدیث ہے، یہ روایت اسی سند سے حاکم نیشاپوریؒ کے تلمیذ خاص امام بیہقیؒ کی السنن الکبریٰ رقم:۵۹۹۳ (باب مایؤمر به فی لیلة الجمعة ویومها) السنن الصغریٰ رقم:۶۰۵ (باب فضل الجمعة) شعب الایمان رقم:۲۷۶۸ (باب فضل الصلوٰة علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لیلة الجمعة ویومها)معرفة السنن والآثار رقم:۲۶۸۰ (باب مایؤمر به فی لیلة الجمعة ویومها) کتاب الدعوات الکبیر، رقم:۵۲۵ (باب القول والدعاء یوم الجمعة) کتاب فضائل الاوقات ، رقم: ۲۷۵ (فصل فی الصلوٰة علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم) میں بھی مذکور ہے، اس سند کی خاص بات یہ ہے کہ یہ شرطِ بخاری پر ہونے کے ساتھ ساتھ امام حسین الجعفی کی طرف سے ابن جابر (عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر) سے یہ صیغۂ تحدیث (حدثنا) کے ساتھ روایت کرنے کی صراحت پر مشتمل ہے جو کہ امام حسین جعفی کی طرف سے ابن جابر سے سماعِ حدیث کا صریح اقرار واعلان ہے۔

حاکمؒ نے ایک اور سند سے بھی زیر بحث حدیث روایت کی ہے، اس میں حسین جعفی سے روایت کرنے والے کا نام ابوجعفر حارثی کی بجائے ابوالبختری عبداللہ بن محمد بن شاکر آیا ہے، باقی سند درج بالا سند جیسی ہے اور اس روایت کو نقل کر کے حاکمؒ نے فرمایا:

"هذا حدیث صحیح علیٰ شرط الشیخین ولم یخرجاه"۔ (۱۷۰)

---

(۱۷۰) المستدرک للحاکم، ، جلد:۴،صفحة:۶۰۴، رقم: ۸۶۸۱، کتاب الاموال طبعة دار الکتب العلمیة، بیروت.

نوٹ: امام ذہبیؒ اور حاکمؒ کے اس کلام کی توجیہ یہ ہے کہ ابوالاشعث اگرچہ بخاری شریف کے رجال میں سے نہیں مگر یہ بخاری کی شرط پر اترنے والے راوی ہیں کہ ان کا سماع ولقاء حضرت اوس بن اوسؓ سے ثابت ہے ،تمام اصحاب تراجم نے اس کی صراحت کی ہے، مگر ابوالاشعث چونکہ "حدثنا" یا "أنبانا" کے ساتھ (جاری ہے)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

''یہ حدیث صحیح ہے، شیخین (بخاری ومسلم) کی شرط پر ہے، مگر ان دونوں حضرات نے یہ حدیث (صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں) نہیں لائی''۔

اس پر امام ذہبیؒ نے حاکم سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا:

''علی شرط البخاری ومسلم''. (۱۷۱)

''یہ بخاری ومسلم (دونوں حضرات) کی شرط پر ہے۔''

سنن ابوداؤد اور مسند احمد کی سند مسلم کی شرط پر، مستدرک حاکم کی ایک سند بخاری کی، جب کہ دوسری سند بخاری ومسلم دونوں کی شرط پر ہونے کی ائمہ وحفاظ کی طرف سے اس

(بقیہ حاشیہ) روایت کرنے کے عادی نہیں ''عن'' کے ساتھ روایت کرتے ہیں، اسلئے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ان سے کوئی روایت نہیں لی۔ مگر اصحاب تراجم کی صراحت سماع کے بعد ان کو شرط بخاری پر اترنے والے رواۃ میں شمار کرنے میں کوئی مانع نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ شرط بخاری پر اترنے والی صحیح احادیث کا استیعاب جس طرح صحیح بخاری میں نہیں ہے، اسی طرح بخاری کی شرط کے رجال کا استیعاب بھی اس میں نہیں ہے، جیسا کہ امام حازمیؒ (ابوبکر بن موسیٰ متوفی ۵۸۴ھ) لکھتے ہیں:

''إن قصد البخاری کان وضع مختصر فی الحدیث وأنه لم یقصد الاستیعاب لا فی الرجال ولا فی الحدیث''. (شروط الائمة الخمسة للإمام الحازمی، ضمن ثلاث رسائل: ۱۶۳، طبعة مکتب المطبوعات الإسلامیة)

''امام بخاریؒ کا مقصد حدیث کی ایک مختصر کتاب کی تالیف تھی، نہ انہوں نے رجال کے استیعاب کو مقصود بنایا اور نہ ہی صحیح احادیث کے استیعاب کو''۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شرط لقاء وسماع بالاتفاق اصحاب تراجم کی تصریح سے بھی پوری ہو جاتی ہے، اس لئے ابوالاشعث کی روایت کو شرط بخاری کے مطابق کہنا درست ہے، مگر ان کو رجال بخاری میں سے کہنا درست نہیں۔

(۱۷۱) تلخیص المستدرک بهامش المستدرک علی الحاکم فی الجزء السابق والصفحة السابقة.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صراحت کے بعد اس میں کسی قسم کے شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ حسین جعفی کی روایت ابن جابر سے ثابت اور صحیح ہے، کیونکہ امام بخاریؒ کے ہاں صحتِ حدیث کی شرائط میں لقاء وسماع ایک ضروری شرط ہے۔ اور ثبوتِ سماع کے بغیر شرطِ بخاری پوری نہیں ہوتی اور امام ابوالحسن عجلیؒ (احمد بن عبداللہ بن صالح متوفی ۲۶۱ھ) حسین جعفی کے ابن جابر سے زیر بحث کے سماع کی تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حسین بن علی الجعفی یکنی ابو عبداللّٰہ کوفی ثقة .....سمع حسین الجعفی من عبدالرحمن بن یزید بن جابر حدیثین : حدیث : اکثروا علی من الصلاة یوم الجمعة الخ" (۱۷۲)

"حسین بن علی جعفی۔ ابوعبداللہ کنیت ہے، کوفہ کے رہنے والے ہیں ثقہ ہیں، حسین جعفی نے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے دو حدیثیں سنی ہیں (ایک) یہ حدیث: کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو (جو کہ زیر بحث حدیث ہے)۔ (۱۷۳)

---

(۱۷۲) معرفة الثقات لابی الحسن العجلیؒ: ۳۰۲، رقم الترجمة : ۳۱۱، طبعة مکتبة الدار، المدینة المنورة، السعودیة۔

(۱۷۳) دراصل حسین جعفی کوفہ کے ہیں اور کوفہ میں عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم آئے، حدیثیں بیان کیں حسین جعفی سمیت کوفہ کے رہنے والوں نے ان سے حدیثیں سنیں اور بیان بھی کیں اس کے کچھ عرصہ بعد عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر کوفہ آئے تو لوگوں نے ان سے بھی حدیثیں سنیں اور دونوں کے نام اور ولدیت میں یکسانیت کی وجہ سے لوگوں نے ابن تمیمؒ کی روایات بھی ابن جابر سے جوڑ دیں، جبکہ ابن تمیم ضعیف راوی ہیں اور ابن جابر ثقہ ہے۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

(جاری ہے)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

محدث عبدالحق اشبیلی نے شاید انہی وجوہات کی بنا پر صیغۂ تمریض کے ساتھ امام بخاریؒ اور ابو حاتمؒ کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا:

"إن اللّٰه حرم علی الارض ان تأكل اجساد الانبياء .....هذه الزيادة رواها من حديث حسين الجعفی عن عبدالرحمن بن يزيد بن جابر عن أبی الأشعث عن أوس بن أوس .....ويقال: إن عبدالرحمن هذا هو ابن يزيد بن تميم قاله البخاری وابو حاتم وهو منكر الحديث ضعيفهٔ." (۱۷۴)

(بقیہ حاشیہ) "قلت : روى الكوفيون أحاديث عبدالرحمن بن يزيد بن تميم عن عبدالرحمن بن يزيد بن جابر ووهموا فی ذلك فالحمل عليهم فی تلك الأحاديث ولم يكن ابن تميم ثقة .....وأما ابن جابر فليس فی حديثه منكر."

(تاريخ بغداد للخطيب جلد: ۱۱، صفحة: ۴۷۳ رقم الترجمة: ۵۳۰۶، طبعة دار الغرب الاسلامی. بيروت)

"میں کہتا ہوں کوفہ والوں نے عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم کی احادیث عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے روایت کیں اس میں انہیں وہم ہوگیا اس لئے ان احادیث کے بارے میں اس طرح کرنے والے ذمہ دار ہیں، ابن تمیم ثقہ نہ تھے.....مگر ابن جابر کی حدیث منکر نہیں ہے"۔

حسین جعفی نے بھی کوفہ میں ابن یزید اور ابن جابر دونوں سے روایتیں سنیں، جن میں سے صرف دو روایتوں سماع ابن جابر سے ثابت ہے جیسا کہ علامہ عجلی کی عبارت میں ہے۔ اس لئے امام بخاری اور ابو حاتم سے یہ بات مخفی رہ گئی کہ حسین کا سماع ابن جابر سے بھی ثابت ہے، اور اس وجہ سے زیر نظر حدیث کے بارے میں ان دونوں حضرات نے جمہور ائمہ حدیث سے مختلف نظریہ قائم کرلیا تھا۔ علامہ عجلیؒ کی عبارت اسی کا جواب ہے۔

(۱۷۴) الأحكام الوسطى للشيخ عبدالحق الاشبيلی، جلد: ۲، صفحة: ۴۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

"إن اللّٰه حرم علی الأرض أن تأکل أجساد الأنبیاء" یہ اضافہ انہوں نے (یعنی امام ابوداؤد نے) حسین الجعفی عن عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث عن اوس بن اوس کی سند سے روایت کیا ہے .....اور کہا جاتا ہے کہ (اس سند میں مذکور) عبدالرحمٰن یہ ابن یزید بن تمیم ہیں۔ امام بخاریؒ اور امام ابو حاتمؒ نے یہ کہا ہے اور یہ (عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم) منکر الحدیث اور ضعیف الحدیث ہیں۔

اس عبارت میں قائل معلوم ہونے کے باوجود صیغۂ مجہول سے ذکر کر کے محدث اشبیلیؒ نے صیغۂ مجہول کے ذریعہ اس قول کو کمزور اور مرجوح قرار دیا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔ امام ابوبکر بزارؒ نے بھی مسند بزار میں ایسی ہی تعبیر کے ساتھ امام بخاریؒ اور امام ابوحاتمؒ کا قولِ مذکور ذکر کیا ہے، البتہ آخر میں اس کی وجہ تحریر کرتے ہوئے فرمایا:

"هذا الحدیث فیه کلام منکر عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فقالوا هو لعبدالرحمن بن تمیم اشبه." (۱۷۵)

"اس حدیث میں چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسا کلام نقل کیا گیا ہے جو منکر ہے اس لئے ان حضرات نے فرمایا کہ یہ روایت (ضعیف راوی) عبدالرحمٰن (بن یزید) بن تمیم کی لگتی ہے"۔

یعنی حدیثِ مذکور ارشادِ نبوت کی طرح نہیں لگتی اور نصوص اس حدیث کی موافقت نہیں کرتیں۔ مگر حفاظِ کبار اس دعوی کو یکسر مسترد کرتے ہیں اور اس حدیث کے متن کو بھی سند کی طرح صحیح، ثابت اور نصوص سے تائید شدہ قرار دیتے ہیں، پندرہویں صدی کے مشہور نجدی عالم شیخ محمد بن صالح عثیمین فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

(۱۷۵) مسند البزار، جلد: ۸، صفحة: ۴۴۲، رقم الحدیث: ۴۱۱۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

وسلم نے جن الفاظِ درود کی تعلیم دی اس درود میں بھی متنِ حدیثِ مذکور کا ذکر موجود ہے، چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

"قول المسلم :اللّٰهم صل وسلم على محمد يعنى سلمه من الآفات الجسدية حيا وميتا..... ان اجساد الانبياء لا يمكن ان تأكلها الارض .....لأن الله حرم على الارض ان تأكل اجساد الانبياء اذن فاجساد الانبياء سالمة من الارض" (۱۷۶)

"مسلمان کا یہ کہنا کہ اللّٰهم صل وسلم على محمد اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ (اے اللہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو، جسم کو لاحق ہونے والی آفات سے زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی محفوظ فرما..... (اس دعا میں پنہاں حقیقت یہ ہے کہ) یقیناً زمین کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے کیوں کہ اللہ نے اجسام انبیاء علیہم السلام کو کھانے سے زمین کو منع کر دیا ہے اس لئے انبیاء علیہم السلام کے اجسام زمین (کی دستبرد) سے محفوظ ہیں"۔

قبل از وفات اور بعد از وفات کے عموم کے ساتھ تشریح اس لئے کی گئی کہ درود شریف کی تعلیم خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اور صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی زندگی کے ایام میں بھی پڑھا تھا۔ بہر حال شیخ عثیمین اس عبارت میں یہ کہہ رہے ہیں کہ درود وسلام کی تمام احادیث زیرِ نظر حدیث کے مضمون کی صحت کی تائید اور متن مذکور کی صداقت کی تصدیق کرتی ہیں۔

(۱۷۶) شرح رياض الصالحين للشيخ العثيمين، رقم الحديث :۱۳۹۶۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اور مشکاۃ شریف کے عظیم شارح محدث ملا علی قاری (علی بن سلطان متوفی ۱۰۱۴ھ) زیرِ نظر حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"ان اللّٰہ حرم علی الارض ای منعها ..... اجساد الانبياء ای من ان تاكلها فان الانبياء فی قبورهم احياء." (۱۷۷)

"بے شک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے یعنی زمین کو منع کر دیا ہے نبیوں کے جسموں سے یعنی ان کے جسموں کو کھانے سے (زمین کو منع کر دیا ہے)، کیونکہ سب انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں"۔

یعنی اجسادِ انبیاء علیہم السلام کا سالم رہنا یہ ان حضرات کی حیات کا اثر ہے کہ ان کی حیات قبروں میں جسمانی ہے اور حیات والے جسم کا محفوظ اور سالم رہنا مسلم ہے، اس لئے ان نفوسِ طاہرہ کے اجسام قبروں میں سالم رہتے ہیں، اس سے جہاں یہ معلوم ہوتا کہ اس حدیث کو تسلیم کرنے سے قبروں میں انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ جسمانی کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ حیات انبیاء علیہم السلام پر وارد ساری نصوص اس زیرِ نظر حدیث کی مؤید ہیں اور اس کے مضمون کو ثابت کرتی ہیں، اور علامہ سیوطیؒ کا قول اس رسالے میں گزر چکا ہے کہ حیاتِ انبیاء کی حدیثیں متواتر ہیں جو کہ احکام القرآن میں امام جصاصؒ کی تصریح کے مطابق "ہر وہ خبر جس کو قبولیتِ عامہ (تلقی بالقبول) حاصل ہو اس کو درجۂ تواتر حاصل ہو جاتا ہے" سے مؤید ہے اور علامہ شامیؒ کی تحقیق کے مطابق "الحج عرفة" کی خبر واحد کو قبولیت عامہ ملنے کے بعد اس سے فرضیت کا اثبات درست ہے تو قبولیت عامہ کے بعد حیات الانبیاء کی احادیث صحیحہ سے عقیدے کا اثبات بھی درست ہوگا

(۱۷۷) مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ،جلد:۳،صفحة: ۲۳۸ ،طبعة مكتبه امداديه ملتان۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کہ دونوں ہی دلیل کی قطعیت کو مستلزم ہیں۔

"الجامع الصغیر" کے معروف شارح محدث عبدالرؤوف مناویؒ قبروں میں اجسادِ نبویہ کے سالم رہنے کی توجیہ یہ کرتے ہیں:

"لأنها تتشرف بوقع أقدامهم عليها وتفتخر بضمهم اليهافكيف تاكل منهم."(۱۷۸)

"وجہ اس کی یہ ہے کہ زمین تو اپنے اوپر نبیوں کے قدم پڑنے میں شرف محسوس کرتی ہے اور اپنے سے نبیوں کو ملانے پر فخر محسوس کرتی ہے تو وہ کیسے ان (کے جسم کے کسی حصے) کو کھا سکتی ہے۔"

اور اپنی دوسری شرح جامع صغیر "فیض القدیر" میں اس کے ساتھ دوسری وجہ یہ تحریر فرماتے ہیں:

"ولأنهم تناولوا ماتناولوا منهابحق وعدل وسخرهالهم لاقامة العدل عليها فلم يكن لها عليهم سلطان."(۱۷۹)

"اور (دوسری) وجہ یہ ہے کہ ان حضرات (انبیاء علیہم السلام) نے زمین کا جو حصہ بھی حاصل کیا اس کو حق اور انصاف کے ساتھ حاصل (اور استعمال) کیا اور اللہ نے قیامِ عدل کے لیے زمین کو ان کے لیے مسخر (یعنی ان کے تابع فرمان) کر دیا، اس وجہ سے زمین کا ان پر تسلط نہیں ہوتا۔"

اس لحاظ سے میت سے قبر کے مکالمے اور پشتِ زمین پر انجام پانے والے میت

(۱۷۸)التيسير بشرح الجامع الصغير ج: ۱، ص: ۷۰۷.

(۱۷۹)فيض القدير شرح الجامع الصغير للمناوي ج: ۲، ص: ۶۷۹-۶۷۸.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کے اعمال یاد دلا کر اُسی طرح کے سلوک کے کلامِ شکمِ ارضی کی وہ ساری احادیث زیرِ نظر حدیث کی مؤید ہیں جو طبری اور ابن کثیرؒ سمیت تمام کتبِ تفاسیر میں سورۃ الدخان کی آیت:۲۹ کے تحت مذکور ہیں یا پھر سنن ترمذی، شعب الایمان ، مسند ابو یعلی، مصنف ابن ابی شیبة ، کتاب العظمة لأبي الشیخ الاصبهانی میں اسانیدِ ثقات سے مروی ہیں۔

صاحب "الکنز مدفون" نے اس حرمتِ اجسادِ انبیاء علیہم السلام کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ دراصل مٹی معاصی سے تطہیر کے لیے ہے (جیسے وضو معاصی کو دھوتا ہے) اس لیے گناہ گار اجسام کو قبر کی مٹی مین ملا دینے کا عمل ہے اور انبیاء علیہم السلام چونکہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اس لیے ان کے اجسادِ مطہرہ کو قبر کی مٹی میں ملا دینے کا عمل تطہیر لاحق نہیں ہوتا۔

"ان أجساد الأنبیاء -صلوات الله وسلامه علیهم أجمعین- محرمة علی التراب فلاتبلی لأن الأنبیاء -علیهم السلام- لاذنوب علیهم فلم یحتاجوا الی تطهیر أجسادهم بالتراب."(۱۸۰)

واضح رہے کہ یہ علت نہیں، محض نکتہ بعد الوقوع کے درجے کی حکمت ہے، اس کو مدارِ حکم بنا کر بحث نہیں کی جاتی، جیسے دیگر احکام شریعت کے اسرار و حکم کا حکم ہے۔

الغرض ابن جابر سے حسین جعفی کا سماعِ حدیث کا انکار عدمِ علم بالسماع کی وجہ سے ہو یا متنِ حدیث کے ثبوت میں شبہ کی بنا پر، بہرکیف ائمۂ حدیث کی ان واضح

(۱۸۰) الکنز المدفون للشیخ یونس المالکي(علی الأصح) ص:۱۲۴، ط:مکتبة احیاء العلوم العربیة،فیصل آباد-پاکستان.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

تصریحات کے پیشِ نظر غلط، نا قابلِ التفات اور مردود ہے۔

بعض حضرات نے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر کے ابوالاشعث سے سماع میں شک کیا ہے، کیونکہ اس لیے فضائل درود پر تیسری صدی میں محدثانہ طرز پر لکھی گئی معروف کتاب ''فضل الصلوٰة علیٰ النبی'' میں امام اسماعیل بن اسحاق قاضی (متوفی ۲۸۲ھ) نے زیرِ بحث حدیث کی سند اس طرح ذکر کی ہے:

''حدثنا علي بن عبدالله قال حدثنا حسين بن علي الجعفي قال: ثنا عبدالرحمن بن يزيد بن جابر سمعته يذكر عن أبي الأشعث الصنعاني عن أوس بن أوسؓ أن رسول الله -ﷺ- قال الخ''(۱۸۱)

''علی بن عبداللہ نے ہمیں حدیث سنائی، فرمایا کہ ہمیں حسین بن علی جعفی نے حدیث سنائی کہ میں نے (حسین جعفی نے) عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر کو ابوالاشعث صنعانی کے حوالے سے حضرت اوس بن اوسؓ کی یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (آگے زیرِ بحث حدیث بیان کی)''۔

سو اس سند میں ابن جابر کا ابوالاشعث کے حوالے سے یہ حدیث بیان کرنا آیا ہے، جس سے لگتا ہے کہ ابن جابر نے ابوالاشعث سے یہ حدیث نہیں سنی تھی۔ سو ائمہ حدیث کی طرف سے اس حدیث کو بخاری یا صحیحین کی شرط پر قرار دیئے جانے کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اگر ابن جابر کا ابوالاشعث سے سماع ثابت نہ ہوتا تو ائمہ حدیث اس کو

(۱۸۱) فضل الصلوٰة علی النبی -ﷺ-، ص: ۳۵، رقم الحدیث: ۲۲، ط: المکتب الاسلامی.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

بخاری کی شرط پر کیسے کہہ سکتے تھے؟ بالخصوص جب کہ تراجم واحوال رجال کی کتابوں میں ابن جابر کا سماع ابوالاشعث سے مذکور ومنقول ہے اور ہر حدیث کے لیے صراحت لقاء وسماع کی شرط کسی محدث نے بھی نہیں لگائی، بلکہ صحتِ حدیث کے لیے محض فی الجملہ سماع کا ثبوت ضروری ہوتا ہے، جو کہ یہاں موجود ہے۔ ثانیاً: حاکمؒ کی مستدرک، کتب بیہقیؒ نیز علامہ عجلیؒ کے حوالے سے اس حدیث کے سماع کی تصریح بھی گزر چکی ہے، لہٰذا اس شبہ کی کوئی حیثیت نہیں نہ ہی اس اعتراض میں کوئی وزن ہے۔

تحقیقِ انیق

ابوالاشعث سے ابن جابر کے سماع کا مفصل ثبوت

یاد رہے کہ کتب رجال وتاریخ رُوات کے مصنفین متفقہ طور پر ابوالاشعث سے ابن جابر کے سماع کو ثابت قرار دیا ہے، ان میں سے کسی مصنف نے "إن كان محفوظاً" جیسے الفاظ کے ساتھ کسی قسم کے شک کا اظہار نہیں کیا، اس لیے کہ ابن جابر میں کوئی ایسی شک کی بات نہیں پائی جاتی۔ یہ بھی اسی دور میں گزرے ہیں جس دور میں ابوالاشعث کے دوسرے شاگرد گزرے ہیں، ابوالاشعث اور ابن جابر مین ایسا بعدِ زمانی نہیں کہ لقاء وسماع نہ ہو سکے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ابوالاشعث کے ایک شاگرد علاء بن الحارث ہیں، جو کہ صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں، ان کا انتقال ستر (۷۰) سال کی عمر میں ۱۳۶ھ میں ہوا ہے۔ اس حساب سے ان کی سن ولادت ۶۶ھ بنتی ہے اور عام دستور کم از کم پندرہ، بیس سال کی عمر میں سماعِ حدیث کا ہے، اس لیے علاء کا ابوالاشعث سے سماع ۸۱ھ اور ۹۰ھ کے درمیان ہوگا اور ابوالاشعث یقیناً نوے کی دہائی میں زندہ تھے۔ چنانچہ امام شمس الدین ذہبیؒ نے بہت ہی تحقیق کر کے اپنی عجب العجاب تصنیف "تاریخ الاسلام" میں ابوالاشعث

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کا تذکرہ ۸۱ھ سے ۹۰ھ کے درمیان وفات پانے والوں میں کیا اور ابن سعد کی "الطبقات" میں مذکور ابوالاشعث کی تاریخ وفات پر رد کرتے ہوئے فرمایا:

"وأما ابن سعد فقال: توفي زمن معاوية فوهم لأن هذا الرجل روى عنه عبدالرحمن بن يزيد بن جابر ويحيى بن الحارث الذماري وطبقتهما." (۱۸۲)

"لیکن ابن سعدؒ نے کہا کہ ان (ابوالاشعث) کی وفات حضرت معاویہؓ کے دور میں ہوئی، مگر یہ ان کا وہم ہے اس لیے کہ اس شخص (ابوالاشعث) سے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر اور یحییٰ بن الحارث الذماری اور ان (دونوں) کے طبقے کے لوگ روایت کرتے ہیں۔"

اس میں امام ذہبیؒ یقین سے فرما رہے ہیں کہ ابن جابر کا ابوالاشعث سے روایت کرنا ثابت ہے، اس لئے ابن سعد کا قولِ مذکور محض وہم ہے۔

نیز حضرت معاویہؓ کا دورِ خلافت ۴۰-۶۰ھ ہے، اگر ابوالاشعث کا انتقال ۶۰ھ سے پہلے ہو چکا تھا تو پہلی صدی کے لوگوں میں ان کا کوئی شاگرد کیوں نہیں گزرا؟ ۱۷۰ھ کی دہائی تک ان کے شاگرد (مثلاً یزید بن ربیعہ) نظر آتے ہیں، دوسری صدی ہی میں سب شاگردوں کا ہونا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ ان کے شیخ (ابوالاشعث) پہلی صدی کے اختتام کے قریب تک زندہ تھے۔ کتب تراجم میں ۶۶ھ میں پیدا ہونے والے علاء بن الحارث کو بھی ابوالاشعث کے شاگردوں میں متفقہ طور پر تسلیم کیا گیا ہے، یہ کس بات کا غماز ہے؟ کیا ابن سعد کے قول کی بھرم رکھنے کے لیے علاء بن الحارث اور ۷۰ھ کے قریب

(۱۸۲) تاريخ الاسلام للذهبيؒ، ج:۲، ص:۹۴۲، وفيات ۸۱-۹۰ھ، رقم الترجمة منها: ۴۴، ط:بشار.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

پیدا ہونے والے ابن جابر کے طبقے میں شامل ابوالاشعث کے سارے شاگردوں کی شاگردی اور ابوالاشعث سے ان سب کے سماعِ حدیث کی نفی کر کے سب کتبِ تراجم کی تغلیط کی جائے؟ یہ تو صریح البطلان ہے، جبکہ ابن سعد نے اپنے قول پر کوئی تائیدی ثبوت بھی ساتھ ذکر نہیں کیا اور ان کے شاگردوں کے طبقے سے ابن سعد کی ذکر کردہ تاریخ وفات کی نفی ہو رہی ہے، چنانچہ امام ذہبیؒ اس کھوج میں لگے کہ حقیقت کیا ہے؟ حافظ ابن عساکرؒ سمیت ابن سعد کے بعد کے سب مورخین نے ابن سعد کا قول بلا جھجک آگے نقل کر دیا، مگر امام ذہبیؒ کی عقابی نظر ابوالاشعث کی تاریخ وفات تک محدود نہ رہ سکی۔ تہذیب الکمال کے قلمی نسخے میں ابن سعد کے قول پر نوٹ لکھ کر اپنے تردد کا پہلی مرتبہ اظہار کیا کہ اس تاریخِ وفات کی رو سے کتبِ تاریخ وتراجم میں مذکور ان کے تلامذہ کی ساری روایات ان سے منقطع ٹھہرتی ہیں۔ اپنی "سیر" میں پہلی دفعہ ابن سعد کے قول کے خلاف قلم اٹھاتے ہوئے ۱۰۰ھ کے بعد وفات ابوالاشعث کا امکان ظاہر کر کے طبقۂ علاء بن الحارث کے شاگردوں سے "امکان لقاء" کی راہ ہموار کی تاکہ کتب تراجم کی تغلیط اور تمام شاگردوں کے بالانقطاع روایت کرنے کے بعید احتمال کا تدارک ہو۔ مگر امام ذہبیؒ تو تحقیق چاہتے تھے ٹھوس بنیاد پر بات کرنا چاہتے تھے، "تاریخ الاسلام" میں پہلے تو ۹۱-۱۰۰ھ کے درمیان وفات پانے والوں میں ابوالاشعث کا تذکرہ شامل کر دیا، مگر یہ بھی ابن سعد کے قول سے بہت زیادہ فاصلے پر تھا، بالآخر ۸۱-۹۰ھ کے درمیان وفات پانے والوں میں ابوالاشعث کا تذکرہ شامل کر کے حتمی فیصلے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

"في الكنى بعد المائة فيحول الى هنا."

کہ ابو الاشعث کا تذکرہ ۱۰۰ھ کے باب الکنی میں آیا ہے، اس کو وہاں سے ۸۱۔۹۰ھ کے درمیان وفات پانے والوں میں لایا جائے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

یہ امام ذہبیؒ کی تحقیق، لگن، جستجو اور اخلاص بھری محنت تھی کہ جس کے نتیجے صدیوں سے جمی یہ دھول تاریخ کے اوراق سے صاف ہوئی، **فجزاه الله عنا افضل مايعطي عباده الصابرين على شدائد التحقيق.**

امام ذہبیؒ کے شاگرد علامہ صلاح الدین خلیل بن ایبک صفدیؒ نے اپنی مشہور تصنیف الوافی بالوفیات کی جلد ۱۶ کے صفحہ ۱۲۶ پر اپنے استاد کی تحقیق سے اتفاق کرتے ہوئے فرمایا:

"توفي في حدود التسعين للهجرة ."

یعنی ان (ابوالاشعث) کی وفات ۹۰ھ کی حدود میں ہوئی۔

اور ابن جابر (عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر) متوفی ۱۵۴ھ کی وفات اسی (۸۰) سال سے متجاوز عمر میں ہوئی ہے، اس حساب سے ان کی ولادت ۷۰ھ کے قریب زمانے میں ہوئی لہذا ۹۰ھ کی دہائی میں وفات پانے والے ابوالاشعث سے ۸۵ھ ، ۸۶ھ کے قریب زمانے میں ان کا سماع بالکل ممکن اور کتب تراجم کی تصریحات کی رو سے واضح حقیقت ہے۔

ہر موضوع پر بولنے والے اور ہر سوال کا جواب تراشنے والے امام ابن القیمؒ نے "جلاء الافہام" میں ابن جابر کے سماع سے متعلق زیرِ نظر حدیث کی سند پر اٹھائے جانے والے اعتراض پر (بظاہر ابن سعد اور ان کی تقلید میں بعد کے مورخین کے بیان کے پیشِ نظر) ابوالاشعث سے ابن جابر کے سماع حدیث کی بحث کو چھیڑے بغیر اس حدیث کی صحت کی تائید دیگر شواہد سے پیش کی۔ راقم الحروف نے ابن القیمؒ جیسے مضبوط علم کے حامل کے اس اسلوب کی وجہ سے اس کی تحقیق و جستجو میں پڑنا ضروری سمجھا، تاکہ ابوالاشعث سے ابن جابر کے سماعِ حدیث مدلل ہو کر سامنے آجائے۔ الحمدللہ ابن القیمؒ کے ہم سبق امام ذہبیؒ سے گوہرِ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مراد ہاتھ آ ہی گیا۔ فجزاہ اللہ عنا خیر الجزاء.

الغرض اس روایت کی صحت آفتاب عالمتاب کی طرح روشن ہے، اس میں کوئی بھی علت (رجال کی ثقاہت، اتصال سند اور متنِ حدیث سے متعلق) ایسی نہیں ہے جو ثابت ہو سکے یا اس روایت کی صحت پر اثر انداز ہو سکے۔ اس وجہ سے علامہ شمس الدین محمد بن احمد بن عبدالہادیؒ متوفی ۷۴۴ھ کو برملا اعلان کرنا پڑا کہ:

"رواته كلهم مشهورون بالصدق والأمانة والثقة والعدالة ولذلك صححه جماعة من الحفاظ كأبي حاتم ابن حبان والحافظ عبدالغني المقدسي وابن دحية وغيرهم ولم يأت من تكلم فيه وعلله بحجة بينة." (۱۸۳)

"اس (حدیث) کے سارے راوی سچائی، ایمان داری، ثقاہت و دین داری میں مشہور ہیں، اس لیے حفاظ کی ایک پوری جماعت نے اس (حدیث) کو صحیح قرار دیا ہے، جیسے ابوحاتم بن حبانؒ، حافظ عبدالغنی مقدسیؒ، ابن دحیہؒ وغیرہ۔ اور اس (حدیث کی صحت) پر اعتراض کرنے والوں اور علت نکالنے والوں نے (اپنے دعویٰ پر) کوئی واضح ثبوت (کہیں) پیش نہیں کیا۔"

اس حدیث کو صحیح قرار دینے والی جماعتِ حفاظ میں امام سخاویؒ نے کچھ اور حضرات کا بھی ذکر کیا ہے، چناں چہ فرمایا:

"رواه ... ابن حبان وابن خزيمة والحاكم في

(۱۸۳) الصارم المنكي لابن عبدالهادي، ص: ۲۱۰، ط: مؤسسة الريان-بيروت.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صحاحهم وقال: هذا حديث صحيح على شرط البخاري ولم يخرجاه وكذا صححه النووي في الأذكار وقال الحافظ عبدالغني: انه حسن صحيح، وقال المنذري: انه حسن ، قال ابن دحية: انه صحيح محفوظ بنقل العدل عن العدل في كلام له فيه تطويل وتهويل."(۱۸۴)

''یہ حدیث.....(اسی طرح) ابن حبان، ابن خزیمہ اور حاکم نے اپنی اپنی ''صحیح'' میں روایت کی اور حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور بخاری کی شرط پر ہے، مگر بخاری اور مسلم میں نہیں ہے۔ اسی طرح امام نوویؒ نے اپنی ''الأذکار'' میں اس (حدیث) کو صحیح کہا اور حافظ عبدالغنیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن، صحیح ہے۔ منذریؒ نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے۔ ابن دحیہؒ نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے (ہر قسم کی علت سے) محفوظ ہے، ثقہ کی ثقہ سے روایت ہے، (ایک ایک راوی اس کے ثقہ ہیں) آگے انہوں نے اس پر طویل اور مبالغہ آمیز کلام فرمایا''۔

(۱۸۴) القول البديع للإمام السخاوي، ص ۱۵۲

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ائمہ اربعہ کی روایات

Telegram : t.me/pasbanehaq1

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ:

امام ابوحنیفہ کی مسانید کا مجموعہ ''جامع المسانید'' میں ہے:

''أبو حنيفة عن نافع عن ابن عمرؓ قال: من السنة أن تأتي قبر النبي -ﷺ- من قبل القبلة وتجعل ظهرك الى القبلة وتستقبل القبر بوجهك ثم تقول: السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته.''(۱۸۵)

''(امام) ابوحنیفہؒ نافعؒ سے اور وہ حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی ابن عمرؓ نے) فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ آپ حضرت نبی اکرم ﷺ کی قبرِ مبارک پر قبلے کی جانب سے جائیں اور اپنی پیٹھ قبلے کی طرف کر کے اپنے چہرے کو قبلہ کی طرف کرلیں اس کے بعد یہ کہیں: السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته (اے نبی! آپ پر سلامتی، اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں)۔''

اس حدیث میں ہدیۂ سلام پیش کرنے کی مفصل کیفیت کا ہے کہ روضے کی طرف رخ کر کے سلام پیش کرنا چاہیے، جیسے روبرو ہو کر کسی زندہ کو سلام کرنے کا طریقہ ہے، البتہ سلام پیش کرتے وقت جس طرح آپ ﷺ کے روضے کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے سلام کرنا سنتِ مأثورہ ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے

(۱۸۵) جامع المسانيد ج: ۱، ص: ۶۷۱، رقم الحديث: ۹۴۴، كتاب الحج ومسند الامام الاعظمؒ مع شرحه للعلامة علي القاريؒ ص: ۲۰۲-۲۰۱

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کے دونوں ہمخواب ساتھیوں (حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ) کو بھی مستقل خطاب کے ساتھ سلام پیش کرنا سنت ماثورہ ومعہودہ ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی مذکورہ روایت قولی ہے۔ امام بخاریؒ اور ابوداؤدؒ کے استاد امام مسدد بن مسرہد کی مسند میں حضرت ابن عمرؓ کا عمل بھی سندِ صحیح کے ساتھ اس طرح مروی ہے کہ:

"أنه اذاقدم من سفر صلى ركعتين في مسجد النبي -ﷺ- ثم أتى القبر فقال: السلام عليك يارسول الله، السلام عليك ياأبابكر، السلام عليك ياأبتِ."(۱۸۶)

"آپؓ (ابن عمرؓ) جب سفر سے لوٹتے تو مسجد نبوی میں دو رکعت نماز پڑھتے اس کے بعد روضۂ مطہرہ کے پاس جاتے اور کہتے: السلام عليك يارسول الله، السلام عليك ياأبابكر، السلام عليك ياأبتِ۔ (اے اللہ کے رسول! آپ پر سلامتی نازل ہو، اے ابوبکر! آپ پر سلامتی نازل ہو، میرے پیارے ابا جان (عمرؓ)! آپ پر سلامتی نازل ہو)۔"

اور سفیان بن عیینہؒ کی روایت میں سب سے پہلے روضے پر حاضری دینے اور دو رکعت بعد میں پڑھنے کا ذکر آیا ہے:

---

(۱۸۶) اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة للبوصيري (وقال: رواه مسدد ومحمد بن يحيى بن أبي عمرو البيهقي موقوفاً بسند صحيح) ج:۴، ص:۱۶۳، رقم الحديث: ۳۵۷۱ وكذافي المطالب العالية لابن حجرؒ برقم: ۱۲۵۰ وفضل الصلوٰة على النبي -ﷺ- ص:۸۲، رقم:۱۰۰.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

"حدثني عبدالله بن دینار قال: رأیت ابن عمرؓ اذاقدم من سفر دخل المسجد فقال: السلام علیک یارسول الله! السلام علی أبي بکر، السلام علی أبي ویصلي رکعتین."(۱۸۷)

"(سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں) ہمیں عبداللہ بن دینار نے بیان کیا، فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا کہ جب وہ سفر سے واپس آتے تو مسجد (نبوی) میں داخل ہوتے اور کہتے: السلام علیک یارسول الله، السلام علی أبي بکر، السلام علی أبي، اوردو رکعت نماز پڑھتے۔"

یہ معمولات کے اختلاف یا نماز سے پہلے اور بعد دونوں وقت روضے پر حاضری پر محمول ہے۔

اورامام بیہقیؒ کی روایت میں روضے کو ہاتھ نہ لگانے کا ذکر بھی آیا ہے:

"عن نافع عن ابن عمرؓ أنه کان اذاقدم من سفر بدأ بقبر النبي -ﷺ- فصلی علیه وسلم ودعاله ولایمس القبر ثم یسلم علی أبي بکرؓ ثم قال: السلام علیک یاأبتِ."(۱۸۸)

---

(۱۸۷) فضل الصلوٰة علی النبي -ﷺ- للامام اسماعیل بن اسحاق المالکي المعولی ۲۸۲ھ، ص: ۸۲-۸۱، رقم الحدیث: ۹۹، ط: المکتب الاسلامي

(۱۸۸) شعب الایمان للبیهقيؒ ج: ۶، ص: ۴۶، رقم الحدیث: ۳۸۵۴، ط: مکتبة الرشد-الریاض.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

''نافع حضرت (عبداللہ) بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپؓ (ابن عمرؓ) سفر سے واپس (مدینہ منورہ) آتے تو پہلے نبی کریم ﷺ کی قبر پر جاتے، آپ ﷺ پر درود پڑھتے، آپ کے لیے دعا کرتے جب کہ آپؓ قبر کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو سلام پیش کرتے اور اس کے بعد (حضرت عمرؓ کو سلام پیش کرتے ہوئے یہ) کہتے: اے ابا جان! آپ پر سلامتی نازل ہو۔''

عقیدت اور محبت کے تقاضے ہوتے ہیں، یہاں حضرت ابن عمرؓ عقیدت کے مقامِ احترام میں کھڑے نظر آتے ہیں کہ احترام اس قدر کہ روضۂ شریفہ کو چھونے میں دل میں موجود مکینِ روضۂ مطہرہ (علیہ الصلاۃ والسلام) کی عظمت وحرمت اور جلال وہیبت آڑے آتی ہے اور آپ اپنے جذبات کی رو میں بہنے کی بجائے مقامِ نبوت سے آشنا ہونے کا ثبوت اور دوسروں کو اس مقام سے آشنائی کا درس دیتے نظر آتے ہیں۔

بہر حال، حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حضرت ابن عمرؓ کی جو حدیث پیش کی مذکورہ بالا روایاتِ صحیحہ میں، وہی حدیث مختلف احادیثِ فعلیہ کی شکل میں مذکور ہے، جس سے اس حدیث کی صحت باعتبارِ سند ومتن روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے اور ان تمام روایات میں جو صیغۂ خطاب کے ساتھ سلام پیش کرنا مذکور ہے، اس میں قریب سے سماعِ صلوٰۃ وسلام کا عقیدہ مضمر ہے۔ شیخ محمد العثیمین عام مردوں کے پاس جا کر صیغۂ خطاب میں سلام پیش کرنے کی تشریح کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

''وقوله: "السلام علیکم" أتی بکاف الخطاب فهل الکاف هذه تدل علی أنهم یسمعون لأنه لایخاطب الا من یسمع مالم یکن دلیل ظاهر لئلا یورد علینا مورد

Telegram : t.me/pasbanehaq1

قول عمرؓ للحجر الأسود: اني لأعلم انک حجر لاتنفع ولاتضر ولولااني رأيت النبي -ﷺ- يقبلک ماقبلتک. فههنا خاطبه وهو حجر لكن أهل القبور هل هم يخاطبون مخاطبة الحجر أو مخاطبة السامع؟ الجواب: الظاهر الثاني أي مخاطبة السامع ... ولا نقيسهم بالحجر الأسود لأن الحجر عندنا دلالة حسية ملموسة انه لايسمع وهي أنه حجر وحتى الحجر فانه قديسمع -أيضاً-، قال الله -تعالى- عن الأرض عموماً: يومئذ تحدث أخبارها بأن ربک أوحى لها، [الزلزال: ۵-۴]. "تحدث أخبارها" أي ماعمل عليها من خير أوشر سواء قول مسموع أو فعل مرئي فتحدث به يوم القيامة."(۱۸۹)

''السلام علیکم، میں کاف خطاب ہے۔کیا یہ خطاب کے لیے استعمال ہونے والی (ضمیر) 'کاف' اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ وہ (مدفون حضرات) سن رہے ہیں؟ اس لیے کہ خطاب اسی کو کیا جاتا ہے جو سن رہا ہوتا ہے جب تک (اس کے خلاف) واضح دلیل نہ ہو، یہ (قید) اس لیے کہ حجر اسود سے حضرت عمرؓ کے (خطاب پر مشتمل) اس قول سے اعتراض نہ ہو کہ 'مجھے خوب معلوم ہے کہ تو ایک پتھر ہی ہے، نہ تو کسی کو نفع

(۱۸۹) الشرح الممتع على زاد المستقنع، ج:۵، ص:۳۸۵-۳۸۴، ط:دار ابن الجوزي.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

پہنچا سکتا ہے نہ کسی کا نقصان کرسکتا ہے۔ اگر میں جناب نبی اکرم ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔' سو اس میں آپؓ نے پتھر کو مخاطب بنایا ہے۔ اب قبر والوں کو (کاف ضمیر سے) خطاب کرنا پتھر کو خطاب کرنے کی طرح ہے یا کسی سننے والے کو خطاب کرنے کی قبیل سے ہے؟ جواب یہ ہے کہ ظاہر تو یہ ہے کہ ثانی صورت ہے یعنی یہ (مدفون لوگوں کو خطاب کرنا) کسی سننے والے کو خطاب کرنے کی قبیل سے ہے۔ ہم ان (مدفون) لوگوں کو حجرِ اسود پر قیاس نہیں کریں گے کیوں کہ اس پتھر کے بارے میں حسی اور مشاہداتی دلیل موجود ہے کہ وہ نہیں سنتا اور وہ (دلیل) یہ ہے کہ وہ (جامد) پتھر ہے۔ بلکہ (شرعی نصوص سے تو معلوم ہوتا ہے کہ) پتھر بھی کبھی سن لیتا ہے۔ اللہ تعالی نے زمین کے بارے میں مطلقاً (پہاڑ اور پتھریلی قطعاتِ ارضیہ کو بھی شامل کرکے) فرمایا: اس روز وہ (زمین) اپنی خبریں بتادے گی اس لیے کہ اس کے رب نے اسے حکم دیا ہے۔ سو 'زمین کی خبروں' سے مراد زمین پر جو بھی کام اچھا یا برا انجام دیا گیا ہے، خواہ وہ عمل سننے سے متعلق ہو یا دیکھنے سے متعلق زمین قیامت کے روز سب کچھ بتادے گی'

یعنی کوئی آدمی اگر زمین کے کسی پتھریلے حصے پر سبحان اللہ، الحمدللہ وغیرہ الفاظ ادا کرتا ہے، تو پتھریلی زمین اس کو سن لیتی ہے تبھی تو قیامت کے روز وہ متعلقہ شخص کے اس عملِ خیر کی گواہی دے گی۔ پھر تو پتھر کا سننا بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ اس سے کاف خطاب کا علی العموم سننے والے کے لیے مستعمل ہونا ظاہر ہوتا ہے، جب کہ مخاطب کے روبرو استعمال

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہو۔

اب مدفون لوگ مطلقاً (یعنی نبی اور غیر نبی) کا ف خطاب کے ساتھ کیے گئے سلام کو سنتے ہیں، اس کی دلیل کیا ہے؟ شیخ عثیمین لکھتے ہیں:

"وقد ذكر ابن القيمؒ في كتاب الروح حديثاً عن النبي -ﷺ-: مامن مسلم يمر بقبر أخيه كان يعرفه في الدنيا فيسلم عليه الا رد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام فلا يبعد أن يكون أهل المقبرة عموماً اذا سلم عليهم يسمعون."(۱۹۰)

"ابن القیمؒ نے کتاب الروح میں نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث نقل کی (جس میں) ہے کہ کوئی بھی مسلمان اپنے کسی ایسے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جو اس کو دنیا میں جانتا تھا اور یہ اس کو (اس کی قبر کے پاس سے گزرتے وقت) سلام کرتا ہے تو اللہ اس میں اس کی روح لوٹا دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ مطلقاً (نبی وغیر نبی) اہل قبور (قریب سے کیے گئے) اسلام کو سن لیتے ہیں۔"

آگے مانعین سماع کے مشہور استدلال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"واما قول الله تعالى: انك لاتسمع الموتى [النحل: ۸۰] أي موتى القلوب فان النبي -ﷺ- لم يكن يخرج لأهل القبور يدعوهم."(۱۹۱)

---

(۱۹۰) الشرح الممتع ج:۵، ص:۳۸۵.

(۱۹۱) الشرح الممتع ج:۵، ص:۳۸۵.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

''اور باقی رہا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ' آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے'، سو اس میں دل کے مردے مراد ہیں، اس لیے کہ آپ ﷺ قبر میں مدفون لوگوں کی طرف دعوت (وتبلیغ اسلام) کے لیے تو نہیں نکلتے تھے (کہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ اس طرح کی ہدایت دیں، ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دل کے مردوں کے پاس تبلیغ دین کے لیے ضرور جاتے تھے جو کہ مردہ دل زندہ لوگ تھے، اس لیے آیت کا تعلق مدفون مردوں کی بجائے دل کے مردوں سے ہونا ظاہر ہے)۔''

یاد رہے کہ عام مؤمنین کے ردّ سلام کی مذکورہ حدیث ابن القیمؒ کے استاد امام ابن تیمیہؒ نے بھی اقتضاء الصراط المستقیم ص:۲۲۶ پر نقل کیا ہے اور فرمایا: صححه ابن عبد البر۔ (ابن عبد البرؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے)۔ امام ابو عبد اللہ قرطبیؒ نے ''التذكرة فی أحوال الموتیٰ وأمور الآخرة'' کے صفحہ ۱۵۱ پر اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا: ''وصححه أبو محمد عبد الحق'' (ابو محمد عبد الحقؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور امام عبد الحق اشبیلیؒ کی ''کتاب العاقبۃ'' کے صفحہ: ۱۱۸ پر یہ حدیث مذکور ہے۔

جب کہ بطورِ خاص نبی اکرم ﷺ کے ردّ سلام (سلام کے جواب دینے) کی حدیث سنن ابی داؤد وغیرہ میں ہے جس میں ردّ سلام سے متعلق حصہ بعینہٖ عام مؤمنین کے ردّ سلام سے متعلق مذکورہ بالا حدیث کی طرح ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"عن أبي هريرةؓ أن رسول الله -ﷺ- قال: مامن أحد يسلم علي الارد الله علي روحي حتى أرد عليه السلام ."(۱۹۲)

---

(۱۹۲) سنن أبي داؤد ج:۲، ص:۵۳۴، باب زيارة القبور، سنن البيهقي ج:۵، ص:۲۴۵، باب زيارة قبر النبي -ﷺ-، مسند احمد، جلد:۲، صفحة:۵۲۷.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بھی مجھے سلام پیش کرتا ہے اللہ مجھے میری روح لوٹا دیتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔''

امام ابن تیمیہؒ: داود کی سند سے یہ حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں:

''وهذا الحديث على شرط مسلم.''(۱۹۳)

''یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔''

یعنی صحت میں اس کا درجہ مسلم شریف کی کسی حدیث کی طرح ہے، اور یہ بے غبار صحیح حدیث ہے۔ بلکہ حافظ ابن تیمیہؒ جیسے شرک و بدعات پر گہری نگاہ رکھنے والے تو عام مقابر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مطہرہ سے سلام کا جواب آنے اور سلام کرنے والوں کو وہ جواب سنائی دینے کے واقعات کو بھی برحق تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

''مايروى من أن قوماً سمعوا رد السلام من قبر النبي -ﷺ- أو قبور غيره من الصالحين وان سعيد بن المسيب كان يسمع الاذان من القبر ليالي الحرة ونحو ذلك فهذا كله حق... والأمر أجل من ذلك وأعظم.''(۱۹۴)

''یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ حضرات نے نبی اکرم ﷺ کی قبر سے سلام کا جواب سنا ہے یا کسی اور نیک شخص کی قبر سے (سلام کا جواب سنا ہے) اور سعید بن مسیب جنگ حرہ کی راتوں میں قبر (روضۂ

(۱۹۳) اقتضاء الصراط المستقیم، ص: ۳۲۴، ط: دار فارس.

(۱۹۴) اقتضاء الصراط المستقیم ص: ۳۷۳.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مبارکہ) سے اذان سنا کرتے تھے وغیرہ یہ سب برحق ہیں (آگے فرمایا) بلکہ معاملہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔"

روضہ مُبارکہ سے سلام کا جواب سننے والے خوش نصیب کچھ حضرات کے واقعات راقم نے اپنی کتاب "موت سے واپسی کے ایمان افروز واقعات" میں درج کر دیئے ہیں۔اور "معاملہ اس سے بھی بڑھ کر ہے" کا مطلب کیا ہے؟ سو مولانا ولی خان مظفر صاحب مدظلہ (بانی وچیئرمین المظفر ٹرسٹ) سمیت کئی علماء گواہ ہیں کہ چند سال پہلے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ایک معمر شاگرد مقیم مدینہ منورہ سے کراچی تشریف لائے تو کئی علماء کے سامنے بیان کیا کہ مسجدِ نبوی میں حضرت مدنیؒ کے درس کے دوران ایک شخص نے آکر حیات النبی ﷺ کے بارے میں شبہ ظاہر کیا، مدنیؒ نے وضو کے بارے میں پوچھا، نہ ہونے پر وضو کر کے آنے کا حکم دیا، اس کے بعد روضے کی طرف دیکھنے کے لیے فرمایا، سب طلباء اور اس سائل کی نگاہ روضے پر پڑی تو دیکھا کہ آپ ﷺ کے سر سے ناف تک کا جسم تو سب کے سامنے تھا اور ناف سے قدم تک روضے میں مستور تھا۔ یوں آپ ﷺ سب حاضرین کو روضے میں زندہ سلامت بیٹھے تشریف فرما نظر آئے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً) اور ان کھلی آنکھوں روضے میں آپ ﷺ کو زندہ مشاہدہ کرنے والے طلباء میں سے ایک طالب علم یہ بھی تھے جو علماء کے سامنے اب معمر بزرگ کی صورت میں بیٹھے واقعہ سنا رہے تھے۔

یہ تو حضرت نبی اکرم ﷺ کے متعلق ہے۔علامہ قونویؒ (عصام الدین اسماعیل بن محمد الحنفی) متوفی ۱۱۹۵ھ نے شرح بیضاوی میں ایک جگہ فرمایا:

"وفي الكشاف : قالوا: يجوز أن يجمع الله تعالى من أجزاء الشهيد جملة فيحييها ويوصل اليهم النعيم وان

Telegram : t.me/pasbanehaq1

كان في حجم الذرة، انتهى. فحينئذ تكون حياتهم بالجسد ونقل صاحب الارشاد رؤيا في شأن شهداء احد تدل على أن حياتهم جسمانية والرؤيا وان لم تكن من أسباب العلم لكنها قد تفيد قوة لأن حياتهم بالجسد."(۱۹۵)

''کشاف میں ہے کہ اہلِ علم (اہلِ سنت) کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ شہید کے کچھ اجزاء جمع کر کے انہیں زندہ فرما دیتے ہیں اور انہیں (جنت کی) نعمتیں بہم پہنچاتے ہیں، اگرچہ چھوٹی جسامت میں ہوں، انتہیٰ۔ اس لیے ان کی (شہداء کی) حیات جسمانی ہے۔ 'الارشاد' کے مصنف ؒ نے شہدائے احد کے بارے میں ایک خواب نقل کیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کی حیات (بعد الوفات) جسمانی ہے اور خواب اگرچہ اسبابِ علم میں سے نہیں ہے لیکن اس سے یقیناً اس بات کو تائید و تقویت ملتی ہے کہ ان کی حیات جسمانی ہے۔''

صاحب "الارشاد" نے کیا خواب نقل کیا ہے؟ شرح قونوی کے محشی لکھتے ہیں:

"حيث قال: رأيت في المنام سنة تسع وثلاثين وتسع مائة أني أزور قبور شهداء احد وأنا أتلو هذه الآية وما في سورة آل عمران وأردهما متفكراً في امرهم وفي نفسي أن حياتهم روحانية أو جسمانية فبينما أنا على ذلك

(۱۹۵) حاشية القونوي على تفسير الامام البيضاوي ج:۴، ص:۳۷۳۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اذرأيت شاباً منهم قاعدا في قبره تام الجسد كامل الخلقةفي أحسن مايكون من الهيئة والمنظر، ليس عليه شيئ من اللباس قد بدامنه مافوق السرة والباقي في القبر خلا اني أعلم يقيناأن ذلک أيضاً كما يظهر وإنما لايظهر لكونه عورة فنظرت الى وجهه فرأيته ينظر الي مبتسماً كأنه ينبهني على أن الأمر خلاف رأيي فسبحان من علت كلمته وجلت حكمته."(۱۹۶)

''چنانچہ (الارشاد کے مصنف") فرماتے ہیں: ۹۳۹ھ میں میں نے خواب دیکھا کہ میں شہدائے احد کی قبروں کی زیارت کررہاہوں اور (سورۂ بقرہ کی) یہ (۱۵۴ نمبر) آیت اور سورۂ آل عمران میں (حیاتِ شہداء کے بارے میں) مذکور آیت تلاوت کررہاہوں اوران (شہداء) کے بارے میں سوچ وفکر میں ان دونوں آیتوں کو باربار پڑھ رہاہوں، میرے دل میں یہ سوچ ہوتی ہے کہ آیا ان کی حیات (قبروں میں) روحانی (صرف روح سے متعلق) ہے یا جسمانی (یعنی جسد عنصری سے متعلق) ہے، میں اسی سوچ میں تھا کہ اس دوران میں ان (شہدائے احد) میں ایک نوجوان کو دیکھتا ہوں جو اپنی قبر میں بیٹھا ہوا ہے، جسم اس کا پورا ہے، اعضاء بھی سب موجود ہیں، نہایت خوبصورت ہیئت اور دلآویز حلیہ ہے، اس پر لباس کوئی نہیں تھا، اس کے جسم کا ناف

(۱۹۶) الحاشية على شرح القونوي على البيضاوي ج:۴، ص:۳۷۳، ط:دار الكتب العلمية- بيروت

Telegram : t.me/pasbanehaq1

سے اوپر کا حصہ نظر آ رہا تھا، باقی قبر میں (مستور) تھا، البتہ مجھے اس (مستور) حصے کے بارے میں پورا یقین ہوتا ہے کہ وہ بھی نظر آنے والے حصے کی طرح (زندہ جسم) ہے، مگر وہ حصہ اس لیے نظر نہیں آ رہا کہ وہ ستر (کا حصہ) ہے۔ میں نے اس کے چہرے پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ وہ مجھے لبوں پر مسکراہٹ سجائے دیکھ رہا ہے، گویا مجھے تنبیہ کر رہا ہے کہ معاملہ میری رائے (حیات شہداء محض روح سے متعلق ہونے کے گمان یا امکان) کے برخلاف ہے (اور شہداء کی یہ حیات روحانی نہیں بلکہ جسمانی ہوتی ہے جیسا کہ نظر آنے والے منظر سے واضح ہے)، پس پاک ہے وہ ذات جس کا کلمہ بلند اور جس کی حکمت عظیم ہے۔"

امام مالک رحمہ اللہ:

موطأ امام مالک میں ہے:

"عن عبداللہ بن دینار قال: رأیت عبداللہ بن عمرؓ یقف علی قبر النبي -ﷺ- فیصلي علی النبي -ﷺ- وعلی أبي بکر وعمر." (۱۹۷)

"عبداللہ بن دینار سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ آپؓ روضۂ رسول ﷺ کے پاس کھڑے

(۱۹۷) موطا مالک بروایة یحیی اللیثي ج:۱، ص:۱۶۶، رقم الحدیث :۳۹۷، طبعة دار إحیاء التراث العربی، مصر وجامع الاصول لابن الأثیرؒ، جلد: ۱، صفحة: ۴۰۷، رقم الحدیث: ۲۴۸۰، ط: دار الکتب العلمیة

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہوتے اور حضرت رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کو ہدیۂ درود پیش کرتے۔"

رسول اللہ ﷺ کے تابع کر کے حضرات شیخینؓ پر درود پڑھنا ایسے ہی درست ہے جیسے ہر نماز میں پڑھے جانے والے درود میں "وعلی آل محمد" کہہ کر آپ ﷺ کی آل پر درود کا پڑھنا درست ہے۔ (۱۹۸)

البتہ راویٔ موطأ ابومصعب زہریؒ (متوفی ۲۴۲ھ) کی روایت اس طرح ہے:

"عن عبدالله بن دينار قال: رأيت عبدالله بن عمرؓ يقف على قبر النبي -ﷺ- فيصلي على النبي -ﷺ- ويدعو لأبي بكر وعمر -رضي الله عنهما-." (۱۹۹)

"حضرت عبداللہ بن دینار کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی قبر کے پاس کھڑے ہوتے اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھتے جب کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے لیے دعا کرتے۔"

یاد رہے کہ لفظِ صلوٰۃ اور دعا میں معنوی اشتراک، ثانیاً: جمعاً غیر نبی پر صلوٰۃ کے استعمال کا ثبوت نصوص سے ہونے کی بنا پر، ثالثاً غیر نبی کے لیے جمعاً صلوٰۃ کے استعمال پر ائمہ اربعہ کے اتفاق (اوجز المسالک ج:۳،ص:۴۱۷ وعمدۃ القاری ج:۶،ص:۵۵۶) کی وجہ سے موطأ کی روایت یحیی وروایت ابومصعب زہریؒ وغیرہ میں کوئی تعارض یا مخالفتِ ثقات کی

---

(۱۹۸) المنتقى شرح الموطأ: ۱،ص: ۴۰۹.

(۱۹۹) موطا مالک برواية أبي مصعب الزهري ج: ۱،ص: ۱۹۶، رقم الحديث: ۵۰۶ ط: مؤسسة الرسالة-بيروت.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

بات نہیں ہے، نہ دونوں نا قابلِ تطبیق روایات ہیں، لہٰذا ان میں سے کسی ایک روایت کو شاذ کہنا درست نہیں۔ جیسے بعض شارحینِ موطأ کا خیال ہے۔ چنانچہ بیہقیؒ کی روایت پہلے گزر چکی ہے، جس میں آپ ﷺ کے لیے ''صلوۃ'' و ''دعا'' دونوں کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے، جس سے ''صلوٰۃ'' و ''دعا'' میں عدمِ تعارض واضح ہوتا ہے۔

چھٹی ہجری کی مشہور محدث خاتون حضرت شہدہ بنت احمد (متوفیہ ۵۷۴ھ) امام مالک سے اپنی سند سے سعید بن منصور کی روایت اس طرح نقل کرتی ہیں:

''عن نافع عن ابن عمرؓ أنه كان يأتي القبر فيسلم على النبي -ﷺ- وعلى أبي بكر وعمر.''(۲۰۰)

''نافع حضرت ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (ابن عمرؓ) روضۂ شریفہ پر آتے، نبی کریم ﷺ کو اور حضرت ابوبکرؓ کو اور حضرت عمرؓ کو سلام پیش کرتے۔''

موطأ مالک بروایۃ محمد بن الحسن الشیبانیؒ میں ہے:

''أن ابن عمرؓ كان اذا أراد سفراً أو قدم من سفر جاء قبر النبي -ﷺ- فصلى عليه ودعا ثم انصرف.''(۲۰۱)

---

(۲۰۰) العمدة من الفوائد والآثار والصحاح والغرائب في مشيخة شهدة، طبعة الخانجي، القاهرة- مصر، وعنها بالاسناد المتصل أبو اليمن ابن عساكر (عبدالصمد بن عبدالوهاب) المتوفى ٦٨٦ھ، ص: ۴۹، ط: دار الأرقم

(۲۰۱) موطأ مالک برواية محمد بن الحسن ج: ۳، ص: ۴۸۲، رقم الحديث: ۹۴۷ (مع التعليق الممجد) وانظر المصنف لابن أبي شيبة ج: ۷، ص: ۳۵۹، رقم الحديث: ۱۱۹۱۵ وكذا السنن للبيهقيؒ.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

''حضرت ابن عمرؓ جب سفر کا ارادہ کرتے یا سفر سے واپس آتے تو نبی کریم ﷺ کے روضے پر حاضر ہوتے، آپ کو ہدیۂ صلوٰۃ پیش کرتے، آپ کے لیے دعا کرتے پھر چلے جاتے۔''

علامہ عبدالحی لکھنویؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

''...وفي رواية عن نافع كان ابن عمرؓ يسلم على القبر ورأيته مائة مرة أو أكثر يأتي ويقول: السلام على النبي -ﷺ-، السلام على أبي بكر، السلام على أبي، وظاهره أنه كان دأبه ولم يسافر، كذا في وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفى والمواهب وشرحه.''(۲۰۲)

''ایک روایت میں نافع فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ روضہ پر سلام پیش کرتے، میں (نافع) نے ان کو سو یا اس سے زیادہ مرتبہ دیکھا ہے کہ (روضہ پر) آتے اور کہتے: السلام على النبي -ﷺ-، السلام على أبي بكر، السلام على أبي، اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان (ابن عمرؓ) کا معمول تھا، اگرچہ سفر نہ ہوتا۔ جیسا کہ 'وفاء الوفاء باخبار دارلمصطفى' اور 'المواهب' اور اس کی شرح میں ہے۔''

سفر کے بارے میں حضرت ابن عمرؓ کے اس معمول اس معمول کا ذکر سنن سعید بن منصور میں اور اس کے حوالے سے اقتضاء الصراط المستقيم ص: ۳۶۶، خلاصة الوفاء (للسمهودی) ج: ۱، ص: ۶۲ میں ہے، نیز مصنف عبدالرزاق، ج: ۳،

(۲۰۲) التعليق الممجد على موطا محمد ج: ۳، ص: ۴۸۲، ط: دار القلم -دمشق.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ص:۵۷۷، برقم: ۶۷۲۴ میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ:

امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"وروى ابن بطة في الابانة باسناد صحيح عن معاذ بن معاذ حدثنا ابن عون قال: سأل رجل نافعاً فقال: هل كان ابن عمرؓ يسلم على القبر؟ فقال نعم، لقد رأيته مائة أو أكثر من مائة مرة كان يأتي القبر فيقوم عنده فيقول: السلام على النبي -ﷺ-، السلام على أبي بكر، السلام على عمر أبي." وفي رواية أخرىٰ ذكرها الامام أحمد محتجاً بها: "ثم ينصرف". (۲۰۳)

"الابانة" میں سند صحیح کے ساتھ ابن بطہؒ نے معاذ بن معاذ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ابن عون نے بیان کیا کہ ایک شخص نے حضرت نافعؒ سے پوچھا کہ کیا ابن عمرؓ روضے پر آکر سلام پیش کرتے تھے؟ انھوں نے کہا۔ جی ہاں۔ میں نے ان کو سو (۱۰۰) یا سو سے بھی زیادہ مرتبہ دیکھا ہے کہ وہ روضے کے پاس آکر کھڑے ہوتے اور (سلام پیش کرتے ہوئے) فرماتے:

السلام على النبي، السلام على أبي بكر، السلام على

(۲۰۳) اقتضاء الصراط المستقيم ص:۳۲۷، شرف المصطفى لأبي سعد النيسابوري، ج:۳، ص: ۱۸۰، ط: دار البشائر، خلاصة الوفاء ج: ۱، ص: ۳۶۳، إحياء علوم الدين، جلد: ۶، صفحة: ۱۲۷، طبعة دار الخير بيروت.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

عمر أبی۔ایک اور روایت جو کہ امام احمدؒ نے دلیل میں پیش کی ہے اسمیں یہ اضافہ ہے: ثم ینصرف (یعنی اسکے بعد لوٹ جاتے)۔

ایک اور مقام پر امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"قال أبو بكر الأثرم: قلت لأبي عبدالله يعني أحمد بن حنبل... رأيت أهل العلم من أهل المدينة لايمسونه ويقومون ناحية فيسلمون، فقال أبو عبدالله: نعم هكذا كان ابن عمرؓ يفعل ثم قال أبو عبدالله: بأبي هو أمي ﷺ۔"(۲۰۴)

"ابوبکر اثرمؒ کہتے ہیں: میں نے ابوعبداللہ یعنی احمد بن حنبلؒ سے کہا کہ..... میں نے مدینہ کے اہل علم حضرات کو دیکھا ہے کہ وہ اس (روضہ) کو ہاتھ نہیں لگاتے، صرف ایک طرف کھڑے ہو کر سلام پیش کرتے ہیں (کیا شرعی طریقہ بھی یہی ہے؟) تو ابوعبداللہ (امام احمدؒ) نے فرمایا: جی ہاں۔حضرت ابن عمرؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔اس کے بعد ابوعبداللہ (امام احمدؒ) نے فرمایا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان۔"

امام شافعیؒ:

شوافع میں سے امام بیہقیؒ، علامہ سبکیؒ اور امام سیوطیؒ وغیرہ نے حیاۃ الانبیاء پر مستقل رسالے تصنیف کئے ہیں جو امام شافعیؒ کے مسلک کی ترجمانی کئے لئے کافی ہیں۔زیر نظر بحث میں باقی تین ائمہ کا نقطۂ نظر صراحتاً ان حضرات سے منقول ہے۔اور امام شافعیؒ کا نقطۂ

(۲۰۴) اقتضاء الصراط المستقیم ص:۳۶۷.

Telegram : t.me/pasbanehaq1

نظر شارحِ صحیح بخاری علامہ ابن بطالؒ (ابو الحسن علی بن خلف) المتوفی ۴۴۹ھ کی اس صراحت سے واضح ہے کہ:

"والأمة مجتمعة علی زیارة قبر الرسول وأبي بکر وعمر ولایجوز علی الاجماع الخطأ قاله المهلب وکان ابن عمرؓ اذا قدم من سفر أتی قبر النبي -ﷺ-" فقال: السلام علیک یارسول الله، السلام علیک یاأبابکر، السلام علیک یاأبتاه. رواه معمر عن أیوب عن نافع. (۲۰۵)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی قبروں کی زیارت کے بارے میں پوری اُمت کا اجماع ہے اور اجماع میں خطا ممکن نہیں۔ یہ مہلب نے کہا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ جب سفر سے لوٹتے تو روضۂ رسول ﷺ میں آتے اور (ہدیۂ سلام پیش کرتے ہوئے) کہتے: السلام علیک یا رسول اللّٰہ، السلام علیک یاأبا بکر، السلام علیک یاأبتاه۔ اس کو معمر نے ایوب سے، انہوں نے نافع سے روایت کیا ہے۔

(۲۰۵) شرح صحیح البخاري لابن بطالؒ، ج:۳، ص: ۲۷۱، باب زیارة القبور، ط: مکتبة الرشد- الریاض.

Telegram : t.me/pasbanehaq1